تاریخ کے آئینے میں

آریہ، اعوان اور پاکستان

محمد صدیق علوی ایڈووکیٹ

علوی لاء ایسوسی ایٹس تلہ گنگ

نام کتاب	تلہ گنگ تاریخ کے آئینے میں
مصنف	محمد صدیق علوی ایڈووکیٹ
ناشر	علوی لاء ایسوسی ایٹس تلہ گنگ
کمپوزنگ	نصراللہ اور طاہر عباس
پروف ریڈنگ	راجہ رضوان صادق
تعداد	1000
مطبع	وسیم سکرین پرنٹرز، راولپنڈی
قیمت	-/300روپے
بیرون ملک قیمت	20 $
اشاعت	اگست 2008

رابطہ:
0300-5362767
E-mail: msiddiquealvi@gmail.com

انتساب

تلہ گنگ

کی اُن عظیم ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے

نام

جنہوں نے تلہ گنگ کی ڈھوکوں اور کچے کوٹھوں میں

پیدا ہونے والے بچوں کو پال پوس کر دُنیا کے سامنے

بہترین انسان اور بہترین مسلمان بنا کر پیش کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس میں شک نہیں کہ تلہ گنگ کی تاریخ ماضی کی عمارت میں ایک گمشدہ عبارت ہے۔ جس پر ہزاروں سال سے پڑی ہوئی دھول اور مٹی ہٹا کر جب میں نے اس عبارت کو پڑھا تو کئی قوموں کے ملنے جلنے سے ایک ہمہ گیر معاشرہ ابھر کر سامنے آیا۔ جس میں ہزاروں میل دور سے آنے والی ان قوموں نے آریہ سے اعوانوں تک ایک ایسے معاشرے کو پروان چڑھایا کہ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود ہر قوم کی شناخت اور اسکا وجود آج بھی الگ الگ شکل میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ان ہزاروں سالوں میں تلہ گنگ کی سرزمین سے ہزاروں قافلے اور ہزاروں لشکر گزرے جن میں پیدل بھی تھے اور سوار بھی۔ جرنیل بھی تھے اور جان نثار بھی۔ تاجر بھی تھے اور مہاجر بھی۔ دانشور بھی تھے اور پیشہ ور بھی۔ اولیاء بھی تھے اور علماء بھی۔ بردہ فروش بھی تھے اور ایمان فروش بھی۔ غرضیکہ ہر عقیدے اور ہر ملک کے لوگ اس علاقے سے گزرے جن میں برہمن۔ بھکشو۔ عیسائی۔ یہودی۔ ایرانی۔ افغانی۔ چینی۔ چنگیزی۔ عرب۔ ترک۔ یونانی اور یورپین سب ہی لوگ شامل تھے اور جن کے پاس زادراہ ختم ہو گئی وہ یہیں آباد ہو گئے اس طرح ان لوگوں نے اپنی اپنی روایات اور عقیدوں کے اثرات مرتب کئے اور جہاں جہاں سیاسی۔ سماجی۔ معاشی اور مذہبی ہم آہنگی نظر آئی رشتہ داریاں قائم کر کے ان لوگوں نے اپنے اپنے خاندانوں اور قبیلوں کی طاقت اور تحفظ میں اضافہ کیا۔ یہ لوگ کہاں سے آئے۔ کیسے آئے۔ کب آئے اور کیوں آئے؟ یہ وہ چار سوالات ہیں جن کے جوابات سے یہ تاریخ مرتب کی گئی۔ چونکہ تلہ گنگ برصغیر کے گیٹ

وے پر ایک لائٹ ہاؤس ہے جس نے یہاں سے گزر کر برصغیر جانے والوں کو راہ دکھائی جنہوں نے برصغیر کی سیاسی ۔ سماجی ۔ معاشی اور مذہبی زندگی پر انتہائی گہرے اثرات مرتب کیۓ اس لئے یہ لائٹ ہاؤس برصغیر کی تاریخ اور تہذیب وتمدن کا اصل سرچشمہ ہے ۔ آریہ قوم کا قبائلی نظام اور ہندو قوم کی ذات پات ۔ اعوانوں کی اعوان کاری اور مسلمانوں کی مساوات ۔ مغلوں کی مذہبی پالیسی اور سکھوں کی مذہبی یلغار ۔ انگریزوں کی تاجرانہ سیاست اور موروثی حکمرانوں کے اقتدار نے معاشرے پر ایسے ایسے اثرات مرتب کیۓ کہ جو قدم قدم پر اپنے وجود کا احساس دلاتے ہیں ۔ یہی احساس اس کتاب کا اصل محرک ہے ۔ جس کی تحریر اور تحقیق تاریخ کے حوالہ جات ۔ رسم ورسومات ۔ سینہ بہ سینہ روایات اور میرے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہے ۔ چونکہ تلہ گنگ کے لوگ ہمیشہ قومی دھارے میں رہ کر زندگی گزارتے ہیں اس لئے تلہ گنگ کی تاریخ کو پاکستان کی تاریخ سے الگ نہیں کیا جا سکتا ۔ قومی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں نے جہاں جہاں اثرات مرتب کیۓ وہاں وہاں میں نے مناسب موضوع کا انتخاب کر کے یہ کتاب مکمل کی ۔ اس میں شک نہیں کہ تلہ گنگ کی شناخت اس کی فوجی خدمات سے ہے ۔ جب میں نے ان خدمات پر غور کیا تو تلہ گنگ کے فوجی افسروں اور جوانوں کے کارنامے پوری دنیا میں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے بکھرے ہوئے دانے نظر آئے ۔ جن کو اگر فرداً فرداً یکجا کیا جائے تو تلہ گنگ کے نام پر ایک لائبریری بن سکتی ہے ۔ چونکہ اس کام کیلئے ڈھوکوں سے لیکر ڈیفنس اداروں تک رسائی کیلئے ہمہ وقت ریسرچ اور سرمایہ درکار ہے اس لئے میں یہ کام تلہ گنگ کی بزم دانش اور مخیّر حضرات پر چھوڑتا ہوں ۔ جو امید ہے کہ وہ اسلاف کی اس میراث پر ضرور توجہ دیں گے ۔ آخر میں

اپنے دوست اور بزم دانش تلہ گنگ کے جنرل سیکرٹری ملک محمد اکرم ضیاء صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے یہ تاریخ مرتب کرنے میں میری حوصلہ افزائی کی اور میرے رب نے میری رہنمائی کی جس کے نتیجے میں یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے جو۔۔۔۔۔۔ گر قبول افتدز ہے عز و شرف

والسلام

آپکی دعاؤں کا طالب محمد صدیق علوی ایڈووکیٹ تلہ گنگ۔

تلہ گنگ کا سرسری جائزہ

کرہ ارض کے اردگرد چکر لگانے والا جب بھی کوئی سیٹیلائٹ پاکستان سے گزرتے وقت کیمرے کی آنکھ سے نیچے دیکھتا ہے تو اسے کوہستان نمک ایک ہلال کی شکل میں نظر آتا ہے جسکے دامن کے عین مرکز میں تلہ گنگ شہر واقع ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ہوائی جہاز رات کو اس علاقے پر سے گزرے تو نیچے تھوہا محرم خان کی ڈھوکوں پر جلنے والے چراغ یوں نظر آتے ہیں جیسے زمین پر کوئی کہکشاں اتر آئی ہو۔ آسمانوں سے نظر آنے والا یہ خوبصورت علاقہ واقعی دنیا کا ایک انتہائی خوبصورت علاقہ ہے۔ اگر آپ پیل سے پنڈی گھیب۔ لاوہ سے سوہاوہ۔ چکوال سے بسال یا چکڑالہ سے چواسیدن شاہ کی طرف سفر کریں تو ان تمام راستوں کے کراس پوائنٹ پر تلہ گنگ نظر آتا ہے اس لئے تلہ گنگ شہر اس علاقے کا ہر لحاظ سے ایک قدرتی مرکز ہے۔ اس مرکز پر کھڑے ہوکر اگر ہم اردگرد کا جائزہ لیں تو ہمیں ایک خوبصورت سطح مرتفع نظر آتی ہے جہاں زندگی کا تمام تر انحصار باران رحمت پر ہے۔ قدرت نے گرمی۔ سردی۔ بہار اور خزاں کے چار ایسے خوبصورت موسم پیدا کر رکھے ہیں کہ جن سے روزمرہ زندگی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ بارانی علاقہ ہونے کی وجہ سے قدم قدم پر بارشی ندی نالے نظر آتے ہیں اور ان ندی نالوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے بڑے ٹیلے بھی نظر آتے ہیں جن کی وجہ سے زمین کی سطح ناہموار ہے جنہیں عرف عام میں کھدر کہتے ہے۔ اس کھدر کے اردگرد پیچ کھاتی ہوئی سڑکیں۔ ان سڑکوں پر چلتی ہوئی ٹریفک اور ان سڑکوں سے نکلنے والی پگڈنڈیاں اس علاقے کا اصل حسن اور خوبصورتی ہے۔ ان پگڈنڈیوں کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے پودے نظر آتے ہیں جن میں سروٹ۔ سرکنڈہ۔

سنتھا۔ کائی کے علاوہ کہیں کہیں پھلاہ۔ کہو اور کوندر بھی نظر آتی ہے۔ پلاسٹک کی ایجاد سے پہلے یہی سروٹ خارکشوں کا ایک بہترین ذریعہ معاش تھے جوان سروٹوں سے کھاریاں۔ ٹوکریاں۔ چھکور۔ اور چٹائیاں بنا کر بیچا کرتے تھے۔ اسی طرح دیا سلائی کی ایجاد سے پہلے آگ جلانے کیلئے کوندر کا سٹہ اور کھووٹی ہر گھر کی بنیادی ضرورت تھی۔ اب یہی کوندر اینٹیں پکانے کے کام آتی ہے۔ ان خودرو پودوں کے علاوہ ان کھدریوں میں اسپغول اور گھیکوار یعنی کوار گندل کے علاوہ کئی قسم کی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں جن کی تلاش میں کبھی کبھی کوئی سنیاسی یا کیمیا گر بھی نظر آ جاتا ہے۔ اسی طرح یہ علاقہ سپیروں کی جنت ہے جہاں سانپوں کے علاوہ کئی حشرات الارض موجود ہیں۔ جن میں اکثر و بیشتر بارانی چوہے۔ گلہری اور سانڈ سر اٹھائے نظر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کھدریوں میں خرگوش اور تیتر عام پایا جاتا ہے جس کا لوگ بڑے شوق سے شکار کرتے ہیں۔ اس کھدر کے علاقے میں زمین کو ہموار کر کے قابل کاشت بنایا جاتا ہے۔ جسے نوتوڑ کہتے ہیں۔ نوتوڑ کا یہ عمل صدیوں سے جاری ہے۔ اس عمل کو شروع کرنے سے پہلے ہر شخص سب سے پہلے ایک کچا کوٹھا تعمیر کرتا ہے جسے ڈھوک کہتے ہیں۔ اس ڈھوک میں ایک گھڑا۔ ایک لالٹین۔ ایک بیلچہ۔ ایک کہی۔ ایک گینتی۔ ایک بالٹی۔ ایک تگاری۔ ایک درانتی۔ ایک رمبا۔ ایک کلہاڑی۔ ایک ڈانگ۔ ایک چھوٹی سی رسی اور ایک رسہ ضرور نظر آئے گا۔ قابل کاشت کھیتوں کو میرا اور جو کھیت گاؤں سے قریب ہوں انہیں ہیل کہتے ہیں۔ سال میں دو فصلیں ہوتی ہیں جنہیں فصل ربیع اور فصل خریف کہتے ہیں۔ فصل ربیع میں گندم۔ چنے۔ سرسوں۔ اور مختلف دالیں کاشت کی جاتی ہیں جبکہ فصل خریف میں مونگ پھلی کی فصل سب سے زیادہ مشہور ہے۔ فصلوں کی غیر

یقینی پیداوار کی وجہ سے یہاں پر رہنے والا ہر شخص فوج کی مستقل ملازمت پر فخر محسوس کرتا ہے۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد یہ سابقہ فوجی اکثر و بیشتر ٹرانسپورٹ کے کاروبار سے منسلک ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس ٹرانسپورٹ نے تلہ گنگ کو پاکستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر سے ملا رکھا ہے۔ کراچی کی بندرگاہ ہو یا گلگت سکردو کی پہاڑی گزرگاہ۔ لاہور ملتان کا تاریخی شہر ہو یا خیبر بولان کا تاریخی درہ۔ ہر جگہ آپ کو ایسے کئی ٹرک۔ ٹرلے ۔بسیں اور ویگنیں ضرور نظر آئیں گی جن کی ڈکی یا ڈالے پر یہ الفاظ لکھے نظر آتے ہیں" تلہ گنگ میرا شہر ہے" ٹرانسپورٹ کے معاملے میں تلہ گنگ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ پاکستان کا کوئی ایسا شہر نہیں جہاں آپ کو تلہ گنگ کا اڈہ منیجر۔ ٹرانسپورٹ ڈیلر۔ ڈرائیور۔ مکینک اور کنڈکٹر نظر نہ آتا ہو۔ کراچی جیسے صنعتی اور تجارتی شہر میں ملک فلک شیر کے اڈے سے کون واقف نہیں۔ اس اڈے کو تلہ گنگ کا زیرو پوائنٹ کہا جاتا ہے۔ جہاں سے ہر وقت ہر قسم کی ٹرانسپورٹ پاکستان کے ہر شہر کیلئے بک کی جاتی ہیں۔ جس کی تمام تر بنیاد اس اعتماد پر ہے جو تلہ گنگ کے لوگوں نے پورے پاکستان میں پیدا کر رکھا ہے۔ پاکستان کے اس بارانی علاقے میں ہر سال بارش کا نوے فی صد پانی بارشی نالوں کے ذریعے انکڑ۔ گھبیر اور سواں میں چلا جاتا ہے۔ باقی دس فیصد جوہڑوں اور تالابوں میں جمع ہونے کے بعد کچھ تو بخارات بن کر اڑ جاتا ہے اور باقی سیم بن کر اس پیاسی زمین کے نیچے چلا جاتا ہے۔ جسے حاصل کرنے کیلئے کچھ عرصہ پہلے تک رہٹ سے چلنے والے کنویں تھے جنہیں کھود کر چرخی اور ڈول سے پانی حاصل کیا جاتا تھا عورتوں کے سروں پر دو دو گھڑے نظر آتے تھے۔ دفتروں اور پردے دار گھروں میں ماشکی اجرت پر پانی دیا کرتے تھے۔ مسجدوں اور سکولوں

میں حوض اور کنواں لازم و ملزوم تھے۔ ونگار اور بھنگار کا رواج تھا اس طرح ہر شخص دکھ سکھ میں برابر کا شریک تھا۔ ٹریکٹر اور زرعی آلات آنے سے جہاں خود کفالت اور خود انحصاری کو فروغ ملا وہاں یہ رشتے بھی کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ خوشی غمی کے موقع پر ڈھوکوں پر رہنے والے رشتہ دار ان پگڈنڈیوں پر کل تک پیدل اور آج موٹر سائیکلوں پر یوں دوڑتے نظر آتے ہیں جیسے رگوں میں خون دوڑ رہا ہو۔ چونکہ ان خونی رشتوں میں ماں کی دعا۔ بہن کا پیار۔ بیوی کی وفا۔ اور بیٹی کی حیا بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔ اس لئے یہ علاقہ ہیر رانجھا اور سوہنی مہینوال جیسے کرداروں اور قصے کہانیوں سے پاک ہے۔ شام کو اجڑ بیاباں ڈھوکوں پر چراغ جلانے کے بعد ان ماؤں۔ بہنوں اور بیٹیوں کی گود میں یا تو بچہ ہوتا ہے اور یا پھر قرآن کریم۔ اس لئے ان کے کردار میں خاتون جنت کے کردار کا عکس نظر آتا ہے۔ جس نے ہر گھر کو میرا گھر میری جنت بنایا۔ اور خاندان والوں کو باعزت اور باوقار زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان ڈھوکوں پر پل بڑھ کر جوان ہونے والے بچے بہترین مسلمان ہوتے ہیں۔ جن کے پاس منافقوں کی طرح مذہب کے بارے جھوٹی سچی کہانیاں اور تاویلیں نہیں ہوتیں بلکہ کر گزرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ چونکہ صدیوں سے اس علاقے کی نو رھبری۔ مہر بھری۔ اور بھاگ بھری کسی نہ کسی نور خان۔ مہر خان یا محمد خان کے لئے منت مانتی آرہی ہے۔ اس لئے ہزاروں میل دور بیٹھے باپ۔ بیٹے۔ بھائی اور سرتاج کیلئے یہ روحانی کمک ہے۔ جس نے تلہ گنگ کے ہر شخص کو ہر جگہ کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اس لئے عورت کو یہاں انتہائی عزت واحترام سے دیکھا جاتا ہے۔ جن دنوں میں نے اس دنیا میر آنکھ کھولی ان دنوں کسی کو کسی کے گھر پیدا ہونے والے بچے کا کوئی علم نہیں ہوتا تھا۔ نہ ہی

ماہ میڈیکل چیک اپ ہوتا تھا۔صرف دایہ کو علم ہوتا تھا جسے ماں کا درجہ حاصل تھا۔اس لئے
بچے تندرست پیدا ہوتے تھے کیونکہ چکی ۔ چٹوری ایک گھریلو جم تھا جس کی ایکسر سائز سے
عورتوں کی صحت قابل رشک تھی ۔ ہر روز صبح سویرے کوزہ۔قرآن ۔مصلے استعمال کرکے ہر
عورت ان کا آغاز کرتی گرمیوں میں چادر۔کھیس ۔دری۔جبکہ سردیوں میں رضائی ۔گدا
۔لحاف تہ کرنے کے بعد چکی ۔چٹوری سے آٹا ۔مکھن اور لسی تیار کی جاتی۔ دن کو سوئی
۔کھدوئی اور چرخے کے استعمال کے ساتھ ساتھ توے۔تندور کا استعمال بھی جاری رہتا۔
گھڑا گھڑونجی صاف رکھنا ہر عورت کی ذمہ واری تھی ۔نوکر اور نوکرانی کا کوئی رواج نہ
تھا۔خاص دنوں میں ماں۔ بہن۔ خالہ یا پھوپھی آکر کام کرتی۔اس طرح ہر عورت ایک
سلیقہ شعار عورت تھی ۔ایک طرف جھاڑ پھونک سے گردوغبار دور کیا جاتا تھا اور دوسری طرف
مٹی کا لیپ لگا کر برتنوں میں کھانا تیار کیا جاتا تھا۔مٹی کے برتنوں میں کھانا کھانے والے
اپنی صحت پر فخر کیا کرتے تھے۔مگر اب لوگ اپنے آپکو بیمار ظاہر کرکے بڑے بڑے اور مہنگے
مہنگے ڈاکٹروں کا بطور معالج ذکر کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔ان پگڈنڈیوں اور ڈھوکوں
کے علاوہ یہاں صدیوں پرانے گاؤں اور راستے موجود ہیں جن پر پکی سڑکیں بننے سے
پہلے موسم خشک ہونے کی وجہ سے ہمیشہ پھاکڑا رہتا تھا اس لئے اس علاقے کو پکھڑ کہتے
ہیں۔ان راستوں پر چل کر شہر آنے والوں کو پاکھڑی کہا جاتا تھا۔ان راستوں پر کہیں کہیں
بیر۔ ببول ۔ٹاہلی ۔رکھ اور بوہڑ کے درخت بھی نظر آتے ہیں۔ جو ان راستوں پر چلنے
والوں کو کچھ دیر سائے میں ستانے کے بعد تازہ دم کر کے سفر جاری رکھنے میں مدد کرتے
رہے ہیں۔ان میں بعض درختوں کی عمریں دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ یہ درخت اس

علاقے کی تاریخ سے پوری طرح واقف ہیں جن کے سائے میں کئی تاریخ ساز شخصیات
نے کچھ دیر آرام کیا۔اور آگے بڑھ گئے۔ان درختوں نے کئی ڈاکو۔کئی اولیاء۔کئی قافلے
۔کئی لشکر۔کئی بیمار اور کئی باراتیں دیکھیں اور سایہ دیکر انسانیت کی خدمت کی۔ چونکہ ان
درختوں نے یہاں انسان کا بھر پور ساتھ دیا ہے۔جو پھلدار بھی ہیں اور سایہ دار بھی۔اس
لئے یہاں رہنے والے سایہ دار بھی ہیں اور پھلدار بھی۔یہی وجہ ہے کہ یہاں سرو کا درخت
نظر نہیں آتا۔جو امیروں کی طرح خوبصورت نظر آتا ہے مگر نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ ہی
پھلدار۔جب کسی کو کنواں کھود کر کچھ رقبہ سیراب کرنے کیلئے پانی ملا تو اس نے سب سے
پہلے سائے کا انتظام کیا۔اس مقصد کیلئے پیپل ۔شریں۔توت۔شہتوت اور دھریک کے
درخت لگائے گئے۔ جو آج بھی ان کنوؤں کے پاس نظر آتے ہیں۔اسی رقبے پر بھینس
رکھنے کا رواج شروع ہوا۔جن کا دودھ گاؤں یا شہر کے بازار میں آنا شروع ہوا۔اور روزمرہ
استعمال میں آنے والی سبزیاں موسم کے مطابق اگانے کا رواج شروع ہوا۔اس طرح تمام
چاہی رقبے دودھ اور سبزیاں پیدا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ معاش بن گئے۔جانوروں
میں سب سے زیادہ گائے ۔بیل۔اور بھیڑ بکری پسند کئے جاتے ہیں مگر سب سے زیادہ کام
کرنیوالا جانور گدھی ہے۔ جسے عرف عام میں کھوتی کہتے ہیں۔کھاد کیلئے گندگی کے ڈھیر
اٹھانے سے لیکر سامان اور سواری کیلئے یہ جانور صدیوں سے اس علاقے کی بنیادی
ضرورت چلا آرہا ہے۔ جندری۔ جھل تھڑا۔ بورا اور سوٹی ہر گھر میں کھوتی رکھنے والوں کی
بنیادی ضرورت ہے۔کھوتی کو پھاکڑے سے بے حد پیار ہے۔جب کبھی کھوتی کو کھیلنے کا
موقع ملتا ہے تو وہ پھاکڑے میں لیٹ کر اس طرح دولتیاں چلاتی ہے جس طرح کوئی

تالاب میں نہا رہا ہو۔ یہ جانور انسانوں سے زیادہ اپنے لیڈر گدھے کا ساتھ دیتا ہے۔
کمہاروں کے پاس کئی گدھے ہوتے ہیں۔ جو صرف ایک گدھے کا گٹا کلے کے ساتھ
باندھ کر باقی گدھوں کے گٹوں کو ہاتھ سے دبا دیتے ہیں جو اپنے آپ کو لیڈر گدھے کے
ساتھ بندھا ہوا خیال کرتے ہیں۔ ان تمام جانوروں کی خوراک کھدری کے خودرو پودے
اور پودوں کے پتے ہوتے ہیں۔ گائے اور بھیڑ بکریاں دودھ اور گوشت کیلئے پالی جاتی
ہیں۔ جب کہ بیل کھیتی باڑی اور رہٹ چلانے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کی جگہ اب
ٹریکٹر اور ٹیوب ویل نے لے لی ہے۔ مگر افزائش نسل کیلئے اب بھی بیل بڑے شوق سے
پالے جاتے ہیں جن کی طاقت کا اندازہ کراہ باندھ کر کیا جاتا ہے۔ جو پوری دنیا میں بے
پناہ طاقت کی وجہ سے دھنی کے بیل کے نام سے مشہور ہیں۔ تلہ گنگ کی اس سرزمین پر
جب میں انسانوں۔ جانوروں اور درختوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے ایک ایسا ماحول نظر آتا ہے کہ
جس میں قدرت نے ہر چیز عطا کر رکھی ہے۔ ہر موسم کی سبزی اور اناج اس علاقے کی اپنی
پیداوار ہے۔ اس لئے یہ علاقہ کبھی بھی قحط کا شکار نہیں ہوا۔ تیتر۔ بٹیر کی شکل میں من وسلویٰ۔
ہر قسم کے میوہ جات سے تیار ہونے والا حلوہ مختلف اقسام کا شہد۔ گوشت۔ دودھ۔ دہی اور
مکھن اسی علاقے کی اپنی پیداوار ہے۔ چونکہ تلہ گنگ میرا گھر میری جنت ہے اس لئے
قدرت نے تلہ گنگ کو وہ سب کچھ دے رکھا ہے جو اگلے جہاں جنت میں جا کر ملے گا۔ اس
لئے یہاں کے لوگ ذہنی طور پر خود کفیل ہیں۔ اور اگر کوئی شخص کسی وجہ سے کسی کاروبار میں
فیل ہو جائے تو آپ ایسے شخص کو کسی بنک یا کسی ادارے کے گیٹ پر کھڑا گیٹ کیپر ضرور
دیکھیں گے مگر کسی وڈیرے کے ڈیرے پر چلمیں بھرتا ہوا کبھی نہیں دیکھیں گے جو اس بات کا

ثبوت ہے کہ یہاں کے لوگ وڈیروں کی غلامی پر اداروں کی ملازمت کو ترجیح دیتے ہیں اس
لئے افرادی قوت کے حوالے سے تلہ گنگ کے لوگ ملک اور قوم کا ایک عظیم سرمایہ ہیں
برصغیر میں اقتدار حاصل کرنے والوں نے ہمیشہ اس علاقے میں رہنے والوں سے مدد
حاصل کی اس لئے یہ علاقہ ہزاروں سال سے فوجی خدمات کیلئے مشہور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
جن دنوں برطانوی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ان ملکوں میں آج بھی تلہ گنگ
کے فوجی سپاہیوں کے خون اور پاؤں کے نشانات نظر آتے ہیں۔ جب دوسری جنگ عظیم
میں افریقہ کے صحرا میں ایک طرف جنرل منٹگمری اور دوسری طرف جنرل رومیل فوجوں کو
آمنے سامنے لے آئے تو انہی دنوں ایک جرمن سائنسدان نے ٹیپ ریکارڈر ایجاد کیا تھا۔
جو جرمن گیسٹاپو وہ ٹیپ ریکارڈر کسی جھاڑی میں چھپا کر رکھ دیتے اور دشمن کی بات چیت
کی جاسوسی کرتے۔ ایک دن ایسی ہی بات چیت ڈھولک پر ان الفاظ میں ریکارڈ ہوئی۔
اسی اتھے تے ڈھولا لاوے۔ کوئی ونجے تے کوئی پیا آوے۔ اسی اتھے تے ڈھولا تلے۔
دشمن نوں مارو کھلے۔ اس واقعے کا تعلق تلہ گنگ کے ریٹائرڈ بریگیڈیر ملک محمد رزاق کی
اس فوجی یونٹ سے تھا جو ان دنوں بن غازی میں تعینات تھی۔ بریگیڈیر صاحب نے بتایا
کہ جس دن اور جس وقت یہ گیت ریکارڈ ہوا اس دن اور اس وقت صحرا میں سب سے زیادہ
فائرنگ ہوئی جسے آپ بارود کی بارش کہہ سکتے ہیں۔ جنرل رومیل نے جنرل منٹگمری کو
پیغام بھیجا کہ اگر میں جیت گیا تو تلہ گنگ کے ان فوجیوں کو خود خراج تحسین پیش کروں گا۔
اور اگر میں ہار گیا یا مر گیا تو تم میری طرف سے انہیں خراج تحسین پیش کرنا۔ جو موت کے
منہ میں بیٹھ کر میوزک سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جنرل رومیل نے خودکشی کی یا مار دیا

گیا۔ جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی تو اسکے فوراً بعد 1945ء میں تلہ گنگ گورنمنٹ ہائی سکول کے گراونڈ میں ایک عظیم الشان فوجی پریڈ منعقد ہوئی۔ جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اُن دنوں میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ برٹش آرمی کے کمانڈر انچیف لارڈ آکنلیک نے سلامی لی اور تلہ گنگ کے فوجیوں کو دنیا کی بہترین فوج قرار دیا اور تلہ گنگ میں کیڈٹ کالج قائم کرنیکا اعلان کیا جو بعد میں حسن ابدال منتقل ہوگیا۔ قیام پاکستان کے بعد جب یہی علاقہ پاکستان کا حصہ بنا تو اسی علاقے کے لوگوں نے ملک و ملت کیلئے گرانقدر خدمات انجام دیں جن میں کوٹ گلہ کے میجر محبوب نیازی کا نام سرفہرست ہے جن کی فوجی حکمت عملی سے کشمیر کا کچھ حصہ آزاد ہو کر 1948 میں آزاد کشمیر بن گیا۔ اور آپ کو پاکستان کا پہلا ستارہ جرات ملا۔ اسی طرح ٹمن کے سپوت اور پاک فضائیہ کے سابق کمانڈر انچیف ایئر مارشل نور خان سے کون واقف نہیں۔ آپ نے 1965 کی سترہ روزہ جنگ میں پاکستان کی فضائی برتری قائم کر کے نہ صرف محمود غزنوی کے سترہ حملوں کی یاد تازہ کی بلکہ سومنات کی طرح اکھنڈ بھارت کا بت بھی پاش پاش کر دیا۔ ملک اور قوم کی ان تاریخ ساز ہستیوں کے علاوہ تلہ گنگ کے ہر گاؤں اور ہر ڈھوک پر واقع قبرستان شہیدوں اور مجاہدوں کی قبروں سے بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے فوج کی وردی اور پامردی تلہ گنگ کے ہر گھر کی اصل میراث ہے۔ جس کا تمام تر کریڈٹ تلہ گنگ کی ان عظیم ماؤں ۔ بہنوں اور بیٹیوں کو جاتا ہے کہ جنہوں نے کچے کوٹھوں میں پیدا ہونے والے اور پگڈنڈیوں پر دوڑنے والے ان بچوں کو پال پوس کر دنیا کے سامنے مثال بنا کر پیش کیا۔

آریہ قوم کے اثرات

اس میں شک نہیں کہ انسانی تاریخ انسانوں۔ خاندانوں۔ قوموں۔ قبیلوں اور تہذیبوں کی کشمکش سے عبارت ہے مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قدرتی حالات اور آفات نے بھی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کئے جن میں سب سے بڑی مثال طوفان نوح ہے۔ اس طوفان سے پہلے دنیا کا وہ نقشہ نہیں تھا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ ماہرین ارضیات اور آثار قدیمہ کے نزدیک عام روایت یہی ہے کہ اس طوفان کے بعد ہمالیہ پہاڑ سمندر سے ابھر کر سامنے آیا جس کی برفانی چوٹیوں سے آج بھی مچھلیوں اور سمندری جانوروں کے ڈھانچے اور پنجرے برآمد ہوتے رہتے ہیں۔ اسی ہمالیہ پہاڑ سے نکلنے والی آبشاروں۔ چشموں اور دریاؤں سے سیراب ہونے والی سرزمین کو کسی زمانے میں بھارت ورش کہا جاتا تھا جسے آجکل بھارت اور پاکستان کہتے ہیں۔ طوفان نوح تھم جانے کے بعد جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی وسط ایشیا کے جودی نامی پہاڑ پر جا کر کھڑی ہوگئی تو اس کشتی میں سوار بیاسی افراد اس طوفان سے بچ کر باہر آئے چونکہ عبرانی زبان میں پانی کو " آر" کہا جاتا ہے۔ اور وہ پانی سے بچ گئے تھے اس لئے انہیں آریہ کہا جاتا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے جس بستی سے نکل کر کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ اُس بستی کا نام "اُر" تھا اس لئے اُس بستی کے حوالے سے ان افراد کو آریہ کہا جاتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسی آریہ قوم کی نسل ارد گرد کے علاقوں میں پھیلتی گئی اور سب سے پہلے ان لوگوں نے دریائے دجلہ اور فرات کے زرخیز کناروں پر بستیاں تعمیر کرنا شروع کیں۔ یہی بستیاں بعد میں شہروں اور ملکوں کے نام سے

مشہور ہوئیں۔ جن میں سب سے پرانی بستی کا نام بابل تھا۔ جسے آج کل عراق کہتے ہیں۔
بابل میں جب نمرود نے خدا بن کر لوگوں کو نمرود کا بت پوجا کرنے پر مجبور کیا تو حضرت
ابرہیم علیہ السلام نے اس کی مخالفت کی جس پر انہیں آگ کی چتا میں پھینکا گیا۔ مگر وہ اس
آگ سے معجزانہ طور پر بچ گئے جس سے آریہ قوم میں کئی فرقے پیدا ہوئے۔ ایک فرقے
نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے دوسری زندگی پانے والا دیوتا قرار دیا جسے
ہندو مذہب میں آج بھی برہما دیوتا کہا جاتا ہے۔ اس دیوتا کے پجاریوں کو برہمن کہتے
ہیں۔ یہ لوگ دوسری زندگی پانے کیلئے لاشوں کو آگ میں جلاتے ہیں۔ اور نئی زندگی کیلئے
شادی بیاہ کے موقع پر آگ کے گرد سات پھیرے لگاتے ہیں۔ اس نظریے کو آواگون کہتے
ہیں۔ دوسرے فرقے کا اصل بانی زرتشت تھا جو فارس کا ایک جادوگر تھا جو شعبدہ بازی کے
ذریعے آگ میں ہاتھ ڈال کر کہا کرتا تھا کہ میں پارس ہوں اور آگ میری طاقت ہے۔
اس شخص کے پیروکاروں کو پارسی کہا جاتا ہے۔ زرتشت نے فارس کے مقام پر ایک آتشکدہ
تعمیر کیا جسے پرشیا کہا جاتا تھا۔ زرتشت کے بعد اسکا بیٹا ہرمزاس آتشکدے کا متولی بنا جسے
مغ کہتے تھے۔ لوگوں کی روحانی۔ جسمانی اور مالی پریشانیاں دور کرنے کیلئے اس مغ نے دنیا
میں پہلی بار تعویذ دینا شروع کئے اور لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق نذر نیاز لینا شروع
کی۔ جس سے جادو ٹونے کو فروغ ملا۔ اسی جادو ٹونے نے سامرہ کے رہنے والے سامری
جادوگر کو اپنے کمال پر پہنچایا جس نے پوری اسرائیلی قوم کو گمراہ کیا۔ پارسی قوم کے انہی
جادوگروں نے فارس کے اردگرد اپنے اپنے نام پر کئی آتشکدے تعمیر کئے جن میں یزد۔
اصفہان۔ شیراز۔ کرمان۔ گردیز۔ تبریز سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ جو بعد میں انہی

ناموں سے شہر بن گئے۔ جو اب بھی ایران میں موجود ہیں۔ جب آتشکدوں کے ان مغوں
اور مجاوروں میں مذہبی تجارت نے زور پکڑا تو لوگ آریہ قوم اور پارسی مذہب کو بھول گئے
اور انہوں نے اپنے اپنے آتشکدے کے حوالے سے اپنے اپنے فرقے کا تعارف کرانا
شروع کیا اس طرح دُنیا میں پہلی بار پارسی مذہب میں فرقہ پرستی شروع ہوئی اور یہ لوگ
پارسی شناخت سے ہٹ کر یزدانی۔ اصفہانی۔ شیرازی۔ کرمانی۔ گردیزی اور تبریزی بن
گئے۔ زرتشت کے تقریباً ایک ہزار سال بعد پارسی قوم میں جمشید نامی جادوگر نے جنم لیا۔
جس کے پاس جادو کا ایک پیالہ تھا اس پیالے کے زور پر اس نے تمام جادوگروں کو قابو کر
کے پرشیا کے تمام آتشکدوں پر مشتمل ایک سلطنت قائم کی جسے اس نے آریہ مہر یعنی آریہ
قوم کا سورج قرار دیا اور پرشیا کا نام آریہ کے نام پر ایران رکھا۔ جو یہ نام اب تک موجود
ہے۔ اس تبدیلی کے باوجود ان جادوگروں نے جادو کا یہ سلسلہ جاری رکھا اور جب
مسلمانوں نے ایران پر قبضہ کیا تو ان مغوں نے جزیہ سے بچنے کیلئے اسلام قبول کیا۔ مگر جادو
ٹونے اور تعویذ دینے کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رکھا۔ چونکہ اسلام میں رسول پاک ﷺ
نے کسی کو کوئی تعویذ نہیں دیا۔ بلکہ ایک حاجتمند کو کلہاڑی خرید کر دی تا کہ وہ لکڑیاں کاٹ کر
اپنا گزارا کرے اور اسکے اندر فکر و عمل کا جذبہ قائم رہے اس لئے مسلمان ان جادوگروں کے
سخت خلاف تھے۔ ہمدان میں جب علوی خاندان کے سید علی ولی ہمدانی نے ایرانی
دانشوروں اور مغوں کو جادوگری چھوڑ کر اسلام کے اصل اصولوں پر چلنے کی تبلیغ کی تو حسب
دستور یہ لوگ آپکی جان کے دشمن بن گئے جس پر آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہمدان سے
ہجرت کر کے کشمیر میں آ گئے جنہیں تاریخ میں شاہ ہمدان کہا جاتا ہے۔ آپ نے کشمیر میں

لاکھوں لوگوں کو مسلمان کیا۔ آپ کو خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہم عصر کہا جاتا ہے کیونکہ یہ
دونوں اولیائے کرام ایک ہی وقت میں ہندوستان میں آئے۔ ان دنوں دہلی اور اجمیر میں
پرتھوی راج حکمران تھا۔ جس نے سومنات کا بدلہ لینے کے لئے زور وشور سے تیاریاں
شروع کر رکھی تھیں۔ جب شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو شکست دیکر قتل کیا تو
ہندوستان میں اسلام کی تعلیم وتبلیغ کا دور شروع ہوا۔ اسی تعلیم وتبلیغ کے سلسلے میں شاہ ہمدان
کے پوتے سید احمد شاہ ہمدانی اپنے ساتھیوں کے ساتھ دندہ (دندہ شاہ بلاول) تشریف
لائے۔ جو محمود غزنوی کے دور سے اسلامی تعلیم کا مرکز تھا۔ جہاں قطب شاہ نے کھوکھر اور
چوہان خاندانوں کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا تھا۔ ان دنوں دندہ میں ایک گمنام ولی اللہ بلاول
نامی مستری رہائش پذیر تھا۔ سید احمد شاہ ہمدانی اس بلاول مستری کے ہاں ٹھہرے جنکی
باہمی محبت دور دور تک مشہور ہوگئی اسی مشہوری سے دندہ کا نام دندہ شاہ بلاول پڑ گیا۔ یہ
دونوں افراد علوی اعوان اور علوی سید تھے جنہیں ہمدانی اعوان اور ہمدانی سید کہہ کر پکارا
جاتا ہے۔ جنہوں نے کئی دانشوروں کو جنم دیا جن میں آج کل کے دور میں خلش ہمدانی اور
عزیز ہمدانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے باقاعدہ درس بنا کر درس و
تدریس کا سلسلہ شروع کیا انہیں مقامی زبان میں میاں کہہ کر پکارا جاتا اس طرح ان کی
اولاد میاں اعوان بن گئی۔ انہی میاں اعوانوں نے میاں گاؤں آباد کیا۔ اسی میاں گاؤں اور
دندہ شاہ بلاول سے یہی سید اور اعوان مغلوں کے دور میں موجودہ تلہ گنگ کے غیر آباد ٹلہ
نما ٹھلے پر آکر آباد ہوئے جہاں انہوں نے ایک مسجد سادات اور دو سو گز کے فاصلے پر ایک
مسجد میاں تعمیر کی۔ جسے آج کل مسجد کلاں کہا جاتا ہے۔ جہاں ایک باقاعدہ درس قائم ہوا۔

اسی مسجد میاں کے سامنے والے مکان میں راقم الحروف پیدا ہوا جو اس مسجد سے ملحق میاں
برادری کے دیگر مکانوں اور میاں محلے کا حصہ ہے۔ اسی محلے سے ملحق محلّہ سادات ہے۔
علوی خاندان کے ان سیدوں اور میاںوں نے ہمیشہ اسلامی تعلیم وتبلیغ کو جاری رکھا۔ میاں
برادری کے مولوی غلام جیلانی مرحوم نے جامع حنفیہ المعروف پلاٹ والی مسجد تعمیر کی۔ مسجد
کی تعمیر میں ملک عبدالرؤف اور ملک محمد دلشاد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کی انتظامی کمیٹی
کے پہلے صدر ملک محمد اسمٰعیل مرحوم اور راقم الحروف جنرل سیکرٹری تھے جنہوں نے بیس
سال تک مسجد کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کی۔ جس کا اب انتظام وانصرام مسجد کے مستقل
موذن محمد علی اور میرے چچازاد بھائی حاجی محمد بشیر خزانچی کے علاوہ مسجد کمیٹی کے منتخب ارکان
کے پاس ہے۔ جہاں مذہبی اجتماعات کے علاوہ ہر ہفتے جمعہ کی نماز سے پہلے شہر کی تمام
عورتیں اکٹھی ہوتی ہیں جنہیں باجی حمیدہ دینی مسائل پر تعلیم دیتی ہیں۔ اسی طرح راقم
الحروف کے تایا مرحوم سابق میونسپل کمشنر غلام مصطفٰے نے شیعہ عیدگاہ کی بنیاد رکھی جس کا
انتظام وانصرام میرے چچازاد بھائی زوار اقبال حسین کے پاس ہے جو شیعہ مسلک کا ایک
بہت بڑا مرکز ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے میاں مسجد کے قریب استاد
بخت بانوں کا ایک بہت بڑا درس تھا جہاں ہندو عورتیں بھی اپنے بچوں کو دم درود کیلئے لایا
کرتی تھیں اسی طرح سید گوہر شاہ صاحب مرحوم دم درود کیلئے مشہور تھے جن کے بڑے
بھائی کرنل انور شاہ صاحب مرحوم فوج کی ایجوکیشن کور میں تھے جن کے مشورے پر قیام
پاکستان کے بعد وکٹوریہ کراس کا نام نشان حیدر رکھا گیا۔ فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد
آپ جب تلہ گنگ آئے تو آپ تلہ گنگ ٹاؤن کمیٹی کے چیئرمین بنے پھر آپ کو آنریری

مجسٹریٹ بنایا گیا۔ انہی دنوں سید اطہر طاہر صاحب تلہ گنگ کے اسسٹنٹ کمشنر بن کر
آئے انہوں نے کرنل صاحب کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا جو کینیڈا کے ایک اخبار میں شائع
ہوا۔ جس کی ایک کاپی مجھے کرنل صاحب کے فرزند ارجمند پروفیسر ملازم حسین ہمدانی نے
دی۔ اس انٹرویو میں تلہ گنگ کی تاریخ کو ایک انتہائی دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا
ہے۔ جو اس کتاب میں بطور Appendix-1 شامل ہے۔ اس طرح اگر ہم آریہ سے
جنم لینے والی پارسی قوم اور پارسی قوم کی وجہ سے شاہ ہمدان کی ہجرت پر غور کریں تو یہ ہجرت
ہمارے لئے اسی طرح باعث رحمت ہے جس طرح رسول پاک ﷺ کی ہجرت مدینے
والوں کیلئے باعث رحمت تھی۔ یہاں پر آنے والے سید اور میاں اعوان پرسکون اور باعث
سکون زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔ میں نے اپنی وکالت میں کبھی کسی سید یا میاں اعوان
کو کسی مقدمے میں مستغیث یا ملزم کی شکل میں نہیں دیکھا۔ یہ لوگ ہمیشہ درس و تدریس
کے پیشے سے منسلک رہے۔ جنہوں نے شاہ ہمدان کے مشن کو آگے بڑھایا اور ہمیں ایک پر
سکون اور باعثِ سکون زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا۔

ہندو قوم کے اثرات

زرتشت اور جمشید کے درمیان ایک ہزار سال کے عرصے میں آریہ برہمنوں نے نہ صرف
پارسی مذہب ماننے سے انکار کیا بلکہ اپنے مردے آگ میں جلانے پر ہمیشہ اصرار کیا۔ جس
پر برہمنوں اور پارسیوں میں سخت اختلافات پیدا ہو گئے۔ ان اختلافات کی وجہ سے
برہمنوں کو جلاوطن ہونا پڑا۔ اور انہوں نے پرشیا چھوڑ کر افغانستان میں آنا شروع کیا۔
چونکہ وہ زمین اور زمین کی پیداوار سے محروم ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے" بانی کا پیشہ
اختیار کیا۔ ہر خاندان بھیڑ بکریوں کا ریوڑ لیکر ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتا گیا۔ ان
کوچ کرنے والے خاندانوں کو آج بھی افغانستان میں کوچی قبائل کہا جاتا ہے۔ یہ کوچی
قبائل کسی ملک یا کسی شہر کے باشندے نہیں تھے اس لئے انہیں پاوندے بھی کہا جاتا ہے۔ یہ
پاوندے کئی سو سال بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتے کرتے صوبہ سرحد میں دریائے
سندھ کے کنارے آ پہنچے۔ جہاں چھ ہزار سال پہلے آریہ قوم کے سات برہمن خاندانوں
نے اٹک کے مقام پر دریائے سندھ کو عبور کیا جہاں انہیں بھدے نقش و نگار والے کالے
رنگ کے لوگ نظر آئے جس پر انہوں نے اس سرزمین کو ہند کا نام دیا جسے عبرانی زبان میں
کالا یا سیاہ کہتے ہیں اسی حوالے سے یہاں رہنے والوں کو ہندو کہنا شروع کیا جو بعد میں
پورے برصغیر کی پہچان بن گئے۔ جب آریہ قوم اس علاقے میں آئی تو ان کے پاس نہ تو
کوئی بت تھا اور نہ ہی کسی بت کو مشکل کشا کہنے والا اور نذر نیاز وصول کرنے والا کوئی
پجاری تھا۔ یہ لوگ صرف خدا اور اپنی ذات پر بھروسہ کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
ہوتے رہتے تھے اس لئے ان کے پاس ہمت، جرات، اور جستجو کا ایک عظیم سرمایہ تھا۔ ملک

اورقوم کی جگہ ان لوگوں کی شناخت اپنے اپنے خاندانوں اور قبیلوں سے تھی۔ جس نے دنیا میں پہلی بارقبائلی نظام کو جنم دیا جس میں جرگہ سسٹم سرفہرست تھا۔ اسی جرگہ سسٹم کو آریہ سماج کہتے ہیں۔ چھ ہزار سال پہلے آریہ قوم نے بھارت ورش کے جس علاقے میں پہلی بارقدم رکھا اسے دوآبہ سندھ ساگر کہتے ہیں جسکے شمال میں کوہ ہندوکش۔ جنوب میں کوہستان نمک۔ مشرق میں دریائے جہلم اور مغرب میں دریائے سندھ رواں دواں ہے جسے اٹک کے مقام پر دریائے اٹک کہتے ہیں۔ دو آبہ سندھ ساگر کے مغربی حصے میں کالا چٹا پہاڑ ہے۔ جسکے شمالی حصے کو پوٹھوہار۔ جنوب مغربی حصے کو پکھڑ اور جنوب مشرقی حصے کو دھن کہون کہتے ہیں۔ آریہ قوم کا پہلا قافلہ دریائے اٹک عبور کرکے پوٹھوہار کے علاقے میں داخل ہوا۔ جہاں سانپوں کی بہتات تھی جن کی وجہ سے شمال میں واقع پہاڑیوں کو مارگلہ (سانپوں کا گلہ) کی پہاڑیاں کہا جاتا ہے۔ اس علاقے میں سپیرے حکمران تھے جنہوں نے کول۔ دراوڑ اور بھیل نامی سانپوں سے وابستہ قصے کہانیاں سناسنا کر لوگوں میں ڈرخوف اور توہم پرستی کو اس حد تک فروغ دے رکھا تھا کہ لوگ سانپوں کی پوجا کرتے تھے پھر یہی سانپ انکی قومی شناخت بن گئے اس طرح ہندوستان کے اصل باشندوں کو کول۔ دراوڑ اور بھیل کہا جاتا ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت سانپوں کی وہ عبادت گاہ ہے جو ٹیکسلا کے مقام پر محکمہ آثار قدیمہ نے دریافت کی۔ جو ہندو مذہب کی اصل پہچان ہے۔ آج بھی اسی علاقے میں سانپوں کی بہتات کی وجہ سے اسلام آباد میں سانپوں کے زہر سے دنیا کا بہترین تریاق تیار کیا جاتا ہے۔ چونکہ ہندو قوم سانپ کو مہاتما اور بھگوان سمجھ کر اسکی پوجا کرتی تھی۔ اس لئے جب آریہ قوم نے سانپوں کو مارنا شروع کیا تو ہندو قوم ڈر گئی اور نقل مکانی کرکے کالا

چٹا پہاڑ کے جنوب میں چلی گئی۔ اس طرح کالا چٹا پہاڑ کے شمال میں آریہ قوم کے چٹے اور جنوب میں ہندو قوم کے کالے لوگ تقسیم ہو گئے اور یہ پہاڑ ان دو قوموں کے درمیان کئی سو سال تک حد فاصل بن کر رہا اس لئے اسے کالا چٹا پہاڑ کہتے ہیں۔ پوٹھوہار کے علاقے میں آنے کے بعد آریہ قوم نے آریہ سماج کے اسی قبائلی نظام کو قائم رکھا البتہ جرگہ سسٹم برہمنوں کے ان سات گھروں تک محدود ہو کر رہ گیا جو دریائے اٹک کو عبور کرنے والا پہلا قافلہ تھا جنہوں نے بعد میں آنے والوں کی خوب مدد کی اس لئے آریہ قوم پر ان سات گھروں کی حکومت تھی جسکی وہ انتہائی عزت کرتے تھے۔ نسل در نسل آبادی بڑھنے کے بعد انہی سات گھروں کی قیادت میں جب آریہ قوم پوٹھوہار سے آگے دھن کہون کے علاقے میں داخل ہوئی تو وہاں ہندو قوم کافی تعداد میں آباد تھی۔ کٹاس کے مقام پر جب آریہ قوم کے ساتھ ان کی ہم سفر گئو ماتا نے نمک کے ایک پتھر کو چاٹنا شروع کیا تو برہمن دانشوروں نے اس جگہ کو بابرکت قرار دیکر وہیں آباد ہونے کا فیصلہ کیا اور ہندو قوم کو اعتماد میں لینے کیلئے یہ برہمن خود ہندو مذہب کے علمبردار بن گئے اور آریہ سماج کو ہندو مذہب کا سرچشمہ قرار دے کر ویدوں۔ اُپنشدوں۔ شاستروں۔ اشلوکوں۔ اور بھگوت گیتا کو پڑھ کر ہندو مذہب کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ مختلف قسم کے خیالی دیوی دیوتاؤں کے گلے میں سانپ ڈالکر ان کی پوجا شروع کی اس طرح آریہ قوم نے ہندو قوم کے مذہب پر پوری طرح قبضہ کرلیا۔ اس قبضے کو قائم و دائم رکھنے کیلئے سات گھروں کے ان برہمن دانشوروں نے کٹاس کے مقام پر ایک مندر تعمیر کیا جسے ست گھرا کہتے ہیں۔ اس مندر میں ان سات گھروں کے برہمن ہفتے کے سات دنوں میں باری باری لوگوں کی مراد پوری کرنے کیلئے

پوجا پاٹ کرتے اور نذر نیاز وصول کرتے اس طرح آریہ قوم کی شناخت ہندو قوم میں تبدیل ہوگئی۔مگر اپنی شناخت ختم کرنے کے باوجود آریہ قوم نے اپنی نسلی برتری کو قائم ودائم رکھنے کیلئے ذات پات کے ذریعے ہندو قوم کو سیاسی اور مذہبی حقوق سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا۔ راج پاٹ کو مقدر اور پوجا پاٹ کو مقدس قرار دے کر آریہ قوم کے دانشوروں نے راج پاٹ کو راجکماروں اور پوجا پاٹ کو برہمنوں کا موروثی حق قرار دیا۔اس طرح آریہ قوم کے ہندو معاشرے میں برہمن اور راجکمار اعلیٰ ذات کے افراد قرار پائے جبکہ تاجر۔کسان۔محنت کش۔اور مزدور ادنیٰ ذات کے لوگ ٹھہرے جو دیوی کے درشن تو کر سکتے تھے مگر اسکے چرنوں کو چھونا منع تھا۔اسی طرح پرارتھنا کرنے یا دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرنے کا انکو کوئی حق حاصل نہ تھا۔ بلکہ یہ حق صرف برہمنوں کو حاصل تھا اس لئے ہر شخص برہمنوں کو نذر نیاز دیکر بھگوان کی نظر کرم حاصل کرتا۔اس نظریے نے برہمنوں کو اس حد تک طاقتور بنا دیا کہ امیر غریب جنم دن سے لیکر سورگباش ہونے تک پنڈتوں اور پجاریوں سے شبھ گھڑی کا پتہ کئے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھتے۔شبھ گھڑی کا پتہ چلانے کیلئے ہر پنڈت اور پجاری نے اپنے اپنے مندر اور اپنے اپنے گھر کے اندر اپنے اپنے بھگوان کا اپنا اپنا بت بطور ٹائم پیس نصب کر رکھا ہے۔جس سے پوری ہندو قوم کی سوچ اور اپروچ ان پنڈتوں اور پجاریوں کے ذہن اور صحن تک محدود ہو کر رہ گئی۔اسی طرح راجکماروں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تاجروں۔کسانوں۔محنت کشوں اور مزدوروں سے ٹیکس وصول کریں۔اور ضرورت پڑنے پر بغیر اجرت ان سے بیگار لیں۔ست گھرے کی کوکھ سے جنم لینے والے ذات پات کے اس فلسفے نے پنڈتوں اور ٹھاکروں کو وہ طاقت بخشی کہ کٹاس کا مقام کٹاس

راج بن گیا۔یہ علاقہ کسی زمانے میں کشمیر کا حصہ تھا اس لئے ست گھرے کے ان پنڈتوں کو کشمیری پنڈت کہا جاتا ہے جن کی اولاد میں سے نہرو فیملی ہے۔ست گھرا اوجود میں آنے کے بعد کلر کہار۔کھیکی اور نمل کی جھلیں سادھوؤں کی آماجگاہ بن گئیں جہاں بھنگ کو سوم رس کہہ کر پینا پلانا شروع ہوا۔ان سادھوؤں کو سنیاسی بھی کہا جاتا ہے جو جڑی بوٹیوں سے کشتے اور کیمیاء تیار کرتے ہیں۔اس لئے دوآبہ سندھ ساگر کا یہ علاقہ ہندو مذہب۔معاشرے اور حکمت کا اصل سرچشمہ ہے۔قیام پاکستان سے پہلے تلہ گنگ کے انت رام زنانہ ہسپتال کے ساتھ ہندوؤں کا ایک جنج گھر تھا جس میں دیوالی کے دنوں میں ہندو رسومات کی تاریخ بیان کرنے کیلئے رام لیلا کے نام پر سوانگ بھرے جاتے تھے جسے ہندو مسلمان سب دیکھا کرتے تھے مہابھارت کی جنگ میں سوئمبر کے ذریعے ارجن کا دروپدی کو جیتنا۔دروپدی کا ارجن کو گانا باندھنا۔دلھن کا مائیوں بیٹھنا اور نمک تیل ہلدی کی ابٹن سے اسے خوبصورت بنانا۔دلھن کی سہیلیوں کا مہندی لیکر دولہا کے گھر جانا۔اور پرات میں دیئے جلا کر اور ناچ کر دولہا کو خوش کرنا۔سہرے کے نام پر کرشن مہاراج کا دولھے کے سر پر سہار باندھنا اور آخر میں دروپدی اور ارجن کا آگ کے گرد سات پھیرے لگانا۔اسی طرح رام چندر۔لچھمن اور سیتا کا بن باس جانا۔راون کا سیتا کو اغوا کرنا۔ہنومان کی قیادت میں راون پر بندروں کا حملہ اور رام چندر کی واپسی پر دیوالی اور دسہرے کو جلانے پر ہندوؤں کے جے رام کے نعرے تلہ گنگ کی تاریخ کا حصہ ہیں۔اسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو الگ الگ تالاب تھے۔میونسپل کمیٹی کے عقب میں ہندوؤں کا تالاب تھا۔جبکہ موجودہ ایجوکیشن کالج والی جگہ پر مسلمانوں کا تالاب تھا۔تلہ گنگ کی تینوں باولیوں پر دو الگ الگ چرخیاں تھیں

ایک چرخی سے برہمن اور دوسری چرخی سے دوسرے ہندو پانی بھرا کرتے تھے جبکہ شودر
نہانے دھونے اور پینے کیلئے مسلمانوں کے تالاب اور کنوؤں سے پانی بھرا کرتے تھے اس
طرح بھرشٹ کا نظریہ اپنے عروج پر تھا۔ ہندو مذہب میں عورتوں کو خاوند کے مرنے پر
اسکے ساتھ جلا کرستی کیا جاتا تھا جو بعد میں مسلمان اور انگریز حکمرانوں نے پابندی لگادی اس
لئے بیوہ عورت کو آج بھی منحوس سمجھ کر کسی تقریب میں شامل نہیں کیا جاتا۔ چونکہ کئی ہندو
عورتوں نے باعزت زندگی گزارنے کیلئے اسلام قبول کر کے مسلمانوں سے شادیاں کیں
اس لئے ان کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے آج بھی ذات پات کے علمبردار ہیں۔
جس نے یہاں کے اسلامی معاشرے میں کئی سماجی مسائل پیدا کر رکھے ہیں۔ گو غیر ممالک
کی ملازمت اور میڈیا نے ذات پات کے اس بت کو کافی حد تک توڑ دیا ہے مگر پھر بھی یہ
ہماری تاریخ کا ایک حصہ ہے اس لئے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

گندھارا تہذیب وتمدن

جب مصر کے فرعون نے یہودیوں کے ہاں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو
مصر کے کم وبیش تمام یہودی نقل مکانی کر کے یورپ کے مختلف حصوں میں چلے گئے۔ جن
میں یونان سرفہرست ہے ان دنوں یونان میں دیومالائی کہانیوں کو مذہب کا درجہ حاصل
تھا۔ اور ان کہانیوں کو بیان کرنے والوں کو پادری کہتے تھے۔ جن کی وجہ سے مذہب کے نام
پر معاشرے پر ایک جمود طاری تھا۔ جب یہودی یونان میں آئے تو انہوں نے اپنے مسائل
حل کرنے کیلئے قدرتی وسائل پر غور وفکر شروع کی اسی غور وفکر نے دنیا میں سائنس اور فلسفے
کی بنیاد رکھی اور اسی سائنس اور فلسفے نے ارشمیدس۔ سقراط۔ بقراط۔ اور ارسطو جیسے دانشور
پیدا کئے۔ جن کے قول وفعل میں حق اور سچ کو دیکھکر لوگ پادریوں کو چھوڑ کر ان دانشوروں
کے گرویدہ ہو گئے۔ لوگوں کے اس رویے کو دیکھکر پادریوں نے ہر قسم کی ریسرچ کو خدا کے
کاموں میں دخل اندازی قرار دیا۔ اور حکومت سے ایک قانون منظور کرایا کہ جو شخص ایسا
کوئی نیا فارمولا پیش کر کے لوگوں کو بہکائے گا اسے عدالت لوگوں کے سامنے پیش کرے گی
اور اگر اس شخص نے لوگوں کے سامنے معافی مانگ لی تو اسے معاف کر دیا جائے گا
۔بصورت دیگر اسے زہر کا پیالہ پینا پڑے گا۔ ایسا ہی ایک مقدمہ سقراط کے خلاف بنایا گیا
مگر اس نے زہر کا پیالہ پی کر دنیا میں ریسرچ اور آزاد فکر وعمل کی بنیاد رکھی جس نے
معاشرے پر پادریوں کی گرفت کو اس حد تک ختم کر دیا کہ کچھ عرصے کے بعد لوگ بغاوت پر
اتر آئے۔ جس کے بعد یونان میں سٹی سٹیٹ کونسل کے نام پر پہلی دفعہ جمہوریت سامنے
آئی۔ فکر وعمل کی اس آزادی نے یونان کے لوگوں میں پوری دنیا کو سکیٹر کر رکھدیا۔ جس پر

ارسطو کے شاگرد سکندر اعظم نے پوری دنیا فتح کرنے کا اعلان کیا۔ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کیلئے سکندر اعظم نے علماء۔ حکماء۔ اطباء۔ اور دانشوروں کو بلا کر ان سے پیش آنے والی مشکلات پر مشورہ کیا۔ جنہوں نے فوج کی خوراک اور صحت کو یقینی بنانے کیلئے ذہن۔ زبان۔ اور زمین کی پرکھ رکھنے والوں کے ہراول دستے کی تجویز دی۔ ایسے راستے اختیار کرنے کیلئے کہا گیا کہ علاج معالجے کیلئے گھیکوار یعنی کوار گندل ملتی رہے۔ اور ندی نالوں کے ساتھ ساتھ رہنے والوں سے اناج اور جانور خریدے جاسکیں۔ ان تجاویز پر عمل کر کے سکندر اعظم نے 328 ق۔ م کو اپنی مہم کا آغاز کیا اور ایران افغانستان سے ہو کر اٹک دریا پار کر کے پوٹھوہار کے علاقے میں داخل ہوا جہاں راجہ امبھی حکمران تھا۔ سکندر اعظم کی آمد کے وقت یہاں کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی۔ قدم قدم پر ٹھاکر۔ چوہدری۔ اور خود ساختہ راجے حکمران تھے۔ جن کے پاس کوئی ریگولر آرمی نہیں تھی۔ ہر کسی نے ضرورت کے تحت سیکورٹی گارڈ بھرتی کر رکھے تھے جن میں راجہ پورس کے پاس سب سے زیادہ ہاتھی اور گارڈ تھے۔ جس نے ہندوستان میں پہلی بار سکندر اعظم کی مزاحمت کی مگر پورس کے ہاتھیوں نے مڑ کر اپنی ہی فوج کو روند ڈالا جس سے پورس کو شکست ہوئی اور پورس گرفتار ہو کر سکندر اعظم کے سامنے پیش کیا گیا۔ سکندر نے پورس سے پوچھا کہ تم سے کیا سلوک کیا جائے تو پورس نے کہا کہ جس طرح بادشاہ بادشاہوں سے سلوک کرتے ہیں۔ اس پر سکندر نے پورس کو اس کا علاقہ واپس کر دیا۔ اور آگے بڑھ گیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سکندر اعظم کی آمد سے پہلے کھیوڑہ کی کان موجود تھی۔ جب سکندر کی فوج کے گھوڑے گرمی سے پسینہ آنے پر نڈھال ہو گئے تو سکندر نے ان گھوڑوں کو اُس کان میں ڈال دیا جہاں اُنہوں نے

نمک چاٹ کر پسینے کی کمی پوری کی۔ جب اس کی فوج نے دریائے بیاس سے آگے جانے سے انکار کر دیا تو سکندر واپس جانے پر مجبور ہو گیا واپسی پر اس نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ ملتان کی ملوئی قوم کو شکست دینے کے بعد گجرات کاٹھیاواڑ کے ساحل پر جا پہنچا۔ جہاں سے وہ بحری سفر کر کے عراق پہنچے اور دوسرا حصہ سکندر اعظم کی کمان میں تلہ گنگ کے علاقے سے گزر کر میانوالی بلوچستان اور ایران سے ہوتا ہوا عراق پہنچا۔ جہاں بخار کی وجہ سے 323 ق م بابل کے مقام پر 33 سال کی عمر میں سکندر اعظم کی موت واقع ہوئی۔ بظاہر سکندر اعظم نے صرف ڈیڑھ سال ہندوستان میں گزارا۔ مگر اس ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے نے ہندوستان کی سیاسی۔ سماجی اور معاشی حالت تبدیل کر کے رکھ دی۔ لوگوں میں مرکزی حکومت کا احساس پیدا ہوا۔ ہزاروں میل دور سے آنے والے چاک و چوبند یونانی فوجیوں کی قوت دیکھ کر لوگوں میں یونانی طب سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس سے پہلے بھارت ماتا کی سرزمین چھوڑ کر باہر جانا پاپ سمجھا جاتا تھا۔ اب لوگوں نے باہر کی دنیا جاننے کیلئے سقراط۔ بقراط۔ ارسطو اور جالینوس کا فلسفہ پڑھنا شروع کیا۔ چونکہ بدھ مذہب اونچی نیچی ذات کے خلاف تھا اس لئے تمام فن کار۔ دستکار اور محنت کش بدھ مت کے پیروکار بن گئے۔ اور انہوں نے اس ظلم وستم سے نجات حاصل کر لی جو وہ اپنی محنت کی کمائی سے گھر کا چولہا جلا کر پنڈتوں اور ٹھاکروں کو چولہا ٹیکس تک ادا کرتے تھے۔ جب اشوک نے بدھ مذہب اختیار کر کے ذات پات کو سرکاری سرپرستی سے خارج کر دیا تو کمہار۔ لوہار۔ سنار۔ موچی۔ اور بافندے آزادی سے خوشحال زندگی گزارنے لگے۔ اشوک کے بعد ہرش وردھن نے بھی بدھ مت کو اختیار کر کے ذات پات کی کمر توڑ دی جسکے

نتیجے میں دوآبہ سندھ ساگر میں گندھارا کے نام پر ترقی کا ایک دور شروع ہوا۔ جو تلہ گنگ سمیت اس علاقے کا ایک سنہری دور سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ دوآبہ سندھ ساگر کے قریب چین۔ ایران۔ اور افغانستان میں اشوک اور ہرش وردھن نے سرکاری طور پر بدھ مت کے مبلغین اور تاجروں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اس لئے علم و ہنر کے ساتھ ساتھ تجارتی مال کے آنے سے یہاں صنعت وحرفت میں ترقی ہوئی پتھروں کے مجسموں اور کتبوں کے علاوہ مٹی کے برتن تیار کرنے کا فن اپنے عروج پر پہنچا۔ جن میں تلہ گنگ کا زری کھوسہ اس وقت سے لیکر آج تک گندھارا آرٹ کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ ٹیکسٹائل انڈسٹری سے پہلے شادی بیاہ کے لئے ریشمی لنگی اور کنی کی شلوار کا کپڑا مقامی باشندے تیار کرتے تھے۔ ہار سنگھار سے لدے ہوئے بیل اور نیزہ بازی کے گھوڑے اسی دور کی یاد دلاتے ہیں اسی طرح جہاں اشوک کے زمانے سے ٹیکسلا میں پتھروں کے مجسمے اور لنگریاں اب بھی تیار ہوتی ہیں۔ وہاں تلہ گنگ کے قریب ٹہی کے مقام پر آج بھی مٹی کے برتن بنانے کا فن عروج پر ہے جو اس دور کی ایک زندہ مثال ہے۔ بدھ مذہب کی وجہ سے جہاں گندھارا آرٹ نے ترقی کی وہاں سکندر اعظم کے جانے کے بعد یونانی طب بھی اپنے عروج پر پہنچی۔ تاریخ میں جہاں بڑے بڑے خاندانی اور شاہی حکیم نظر آتے ہیں وہاں تلہ گنگ کے حکیم مولوی غلام محی الدین بھٹ کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے جن سے کئی انگریزوں نے تلہ گنگ آ کر علاج کرایا۔ اور صحت یاب ہوئے۔ تلہ گنگ کے فن کاروں۔ دستکاروں۔ دانشوروں اور پیشہ وروں کی حکمت اور ہنر پر ذات پات کی وجہ سے ایک ایسا پردہ پڑا ہوا ہے جس سے کچھ نظر نہیں آتا۔ چونکہ بدھ مت کے پاس خدا کا کوئی واضح تصور نہیں تھا اس

لئے انہوں نے بھی گوتم بدھ کا بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ جس سے بدھ مت ہندو مذہب میں ضم ہو کر رہ گیا۔ اس طرح گندھارا تہذیب وتمدن میں ترقی کا عمل رک گیا اور بدھ مذہب بھی ہندوستان سے باہر چلا گیا۔ جن دنوں ہرش وردھن برسراقتدار تھا۔ انہی دنوں رسول پاک ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا۔ چونکہ ان دنوں مصر۔ حجاز اور یمن کے تجارتی جہاز ہندوستان کی ہر بندرگاہ پر آ کر لنگر انداز ہوتے تھے اس لئے ہندوستان اور عرب ممالک ایک دوسرے کے سیاسی۔ سماجی۔ معاشی اور مذہبی حالات سے بخوبی واقف تھے۔ ان دنوں ہندوؤں کی طرح عربوں میں بھی بت پرستی اپنے عروج پر تھی۔ اس بت پرستی میں لات۔ منات اور [illegible] دونوں قوموں میں کافی حدتک مذہبی ہم آہنگی تھی۔ اسی مذہبی ہم آہنگی کی وجہ سے ہندوؤں نے ابرہہ کو اکسایا جس نے رسول پاک ﷺ کی پیدائش سے پچاس روز پہلے ہاتھیوں کے ساتھ کعبے پر حملہ کیا کیونکہ ہاتھی ہندوؤں کا گنیش نامی دیوتا ہے جسے وہ روحانی اور جسمانی طاقت کا سب سے بڑا دیوتا مانتے ہیں۔ مگر اس حملے میں ابرہہ اور اسکے لشکر کا جو حال ہوا۔ وہ قرآن کریم کی سورۃ فیل سے، ظاہر ہے۔ اس طرح اگر ہم پندرہ سو سال پہلے دنیا کو دیکھیں تو خدا کا وجود ماننے کے باوجود لوگ خدا پرستی کی نعمت سے محروم تھے۔ دنیا کو یہی نعمت دینے کیلئے ربِ کائنات نے حضرت محمد ﷺ کو رحمت العالمین بنا کر بھیجا۔ جس سے اس دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوا۔ اور مسلمان جب اپنے گھر سے بت پرستی ختم کر کے باہر نکلے تو جس جگہ کٹاس راج نے جنم لیا تھا وہاں عرب اور عراق سے آ کر اعوانوں نے اسلام کی تعلیمات سے ہندو معاشرے کا وہ بند توڑا کہ اسلام سیلاب بن کر برصغیر کے کناروں سے باہر مشرق میں ملائشیا۔ انڈونیشیا اور مغرب

میں مالدیپ اور مڈغاسکر تک جا پہنچا۔

سقوطِ بغداد کے اثرات

اسلام کی آمد سے پہلے جب سقراط نے زہر کا پیالہ پی کر انسان کو آزادی سے سوچنے اور عمل کرنے کی راہ دکھائی تو ایک نئے کلچر نے جنم لیا۔ جسے رومن کلچر کہا جاتا ہے۔اسی رومن کلچر نے رومن ایمپائر کو جنم دیا جس کا رومن لاء اور رومن سٹی سٹیٹ فلسفہ آج بھی پوری دنیا میں قانون سازی اور جمہوریت کے حوالے[1] سے ایک گائڈ لائن سمجھا جاتا ہے۔اسی طرح ایران میں جمشید نے پارسی حکومت کی بنیاد رکھی تھی اس نے زرتشت کے اصولوں پر یعنی پارسی کلچر کو فروغ دیا جہاں کئی ہزار سال سے آتشکدے میں جلنے والی آگ نے ایران کے لوگوں کو یقین دلا رکھا تھا کہ وہ ایک نا قابل تسخیر قوم ہیں۔رومن ایمپائر اور پرشین ایمپائر کو تاریخ میں قیصر و کسریٰ کہا جاتا ہے۔جنہیں اپنی تہذیب اور تمدن پر نا قابل یقین حد تک فخر تھا۔قیصر و کسریٰ کے زیر تسلط تمام علاقے سر سبز و شاداب تھے اس لئے عرب کے ریگستانوں میں انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جب رسول پاک ﷺ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں اسلامی حکومت قائم کی تو سب سے پہلے آپ نے مسجد تعمیر کی جو اسلامی حکومت کا پہلا سرکاری ادارہ ہے اس ادارے میں بیٹھ کر رسول پاک ﷺ نے جب دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو آپ نے قیصر و کسریٰ کے بادشاہوں کو بھی خط لکھے۔ایران کے بادشاہ خسرو پرویز نے رسول پاک ﷺ کے اس خط کو بدو کا خط کہہ کر نفرت اور حقارت سے پھاڑ دیا۔البتہ قیصر روم نے رسول پاک ﷺ کا خط ملنے کے بعد حکم دیا کہ عرب کا اگر کوئی شخص موجود ہے تو اسے حاضر کیا جائے۔ چنانچہ ابو سفیان جو ان دنوں وہاں موجود تھا اسے قیصر روم کے دربار میں پیش کیا گیا تھا۔قیصر روم نے ابو سفیان سے کئی

سوالات کئے جن میں اہم ترین سوال یہ تھا کہ جب محمد ﷺ مکہ سے مدینہ چلے گئے تو کیا
انہوں نے مدینے میں کعبے کے مقابلے پر اپنا کوئی عبادت خانہ تعمیر کیا ہے تو ابوسفیان نے
جواب دیا کہ محمد ﷺ نے جو عبادت خانہ تعمیر کیا ہے اسکا نام مسجد ہے جسکی محراب نے دنیا کی
تمام مسجدوں کو کعبے سے منسلک کرنے کی بنیاد رکھی ہے شاید محمد ﷺ اپنے پیغام کو پوری دنیا
تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر قیصر روم نے کہا کہ وہ وقت دور نہیں جب اسلام میرے
پایہ تخت تک پہنچ جائے گا۔ عام خیال یہی ہے کہ قیصر روم ضرور اسلام قبول کر لیتا مگر دربار
کے دباؤ کیوجہ سے وہ ایسا نہ کر سکا۔ اصحاب صفہ نے اسی مسجد کو عبادت کے علاوہ بطور درسگاہ
اور دنیاوی تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے بطور ریسرچ سنٹر استعمال کرنا شروع کیا تو طاقت
اور تحفظ کیلئے سب پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ نے ذوالفقار تلوار بنائی جو مسلمانوں کا
اسلحہ سازی میں پہلا ہتھیار ہے۔ جو اسلام میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اصل بنیاد ہے۔
اسلحہ سازی نے میٹلر جی (آہن گری) کو اور میٹلر جی نے کیمسٹری کو جنم دیا۔ جو علوی خاندان
کی اصل میراث ہے۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت جابر بن حیان ہے۔ جس نے مسجد نبوی
میں بیٹھ کر حضرت امام جعفر صادقؓ سے کیمیا گری میں تعلیم حاصل کی جسے آج بھی پوری دنیا
میں کیمیا کا باپ مانا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کی ورکشاپ میں تیار ہونے والے اسی اسلحے سے
جنگ بدر۔ جنگ احد۔ اور جنگ خندق میں قریش مکہ کو شکست دیکر مسلمانوں نے مکہ فتح کیا
۔ مسلمانوں نے چند سالوں میں اسلحہ سازی اور کردار سازی سے جو قوت اور تحفظ حاصل
کیا۔ اسے رسول پاک ﷺ نے اپنی زندگی میں ایک ایسی بنیاد فراہم کی کہ انکے وصال کے
بعد خلفائے راشدین نے اسلامی معاشرے کو دنیا کے سامنے ایک مثال بنا کر پیش کیا۔ جس

کا تمام تر کریڈٹ حضرت علیؓ کو جاتا ہے۔ کیونکہ خلفائے راشدین کے دور میں آپ مدینے
سے باہر نہیں گئے بلکہ خلفائے راشدین کے مشیر بن کر رہے۔ جس پر ایک متفق علیہ روایت
ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یا امیر المومنین کیا بات ہے کہ خلفائے
راشدین کے دور میں امن بھی تھا اور ترقی بھی ہوئی مگر آپ کے دور میں ایسا نہیں۔ تو آپؓ
نے فرمایا کہ ان کے دور میں ہم مشیر تھے ہمارے دور میں تم مشیر ہو۔ حضرت علیؓ کی اسی
مشاورت اور معاونت سے جب مسلمان اندرونی طور پر جھوٹے مدعیان نبوت کا قلع قمع
کرنے اور منکرین زکوۃ کو مطیع کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے دین اسلام
پھیلانے کیطرف توجہ دی۔ چونکہ خسرو پرویز نے وہ خط پھاڑ دیا تھا جس میں رسول پاک
ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی اسلئے سب سے پہلے ایران پر حملہ کیا گیا۔ ایران فتح
کرنے کے بعد مصر۔ شام اور دوسرے علاقے بھی اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ اس
طرح چند سالوں میں جب اسلامی سلطنت کی سرحدیں مشرق میں مکران اور مغرب میں
مراکش تک پھیل گئیں تو ہزاروں سال پرانی رومن ایمپائر اور پرشین ایمپائر کے شکست خوردہ
دانشور تلملا اٹھے اور انہوں نے عربوں کی واقعاتی اور نظریاتی بالادستی کو ماننے سے انکار کر دیا
اور عام لوگوں کو یہ باور کرانا شروع کر دیا کہ عرب ایک جاہل اور غیر مہذب قوم ہے وہ اس
قابل نہیں کہ انکے پاس کوئی نظریہ یا عقیدہ ہو۔ یہ چیزیں مہذب قوم کے پاس ہوتی ہیں
۔ اسلام کوئی نظریہ یا عقیدہ نہیں۔ یہ ایک غیبی طاقت ہے۔ اگر اس غیبی طاقت کو ختم کر دیا
جائے تو عرب قوم خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اسی مفروضے کے تحت خلفائے راشدین کے
خلاف سازشیں کر کے انہیں شہید کیا گیا۔ مگر اسلام پھر بھی دنیا میں پھیلتا چلا گیا۔ ولید بن

ملک کے زمانے میں جب محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان ۔ موسیٰ بن نصیر نے سپین اور پرتگال ۔ قتیبہ بن مسلم نے وسط ایشیا اور ترکستان فتح کیا تو سازش کے تحت ان جرنیلوں کو بھی شہید کرا دیا گیا جب ان سازشوں اور شہادتوں کے باوجود اسلام دنیا میں پھیلتا چلا گیا تو اسلام کے خلاف سوچ رکھنے والوں کی سوئی مسجد پر آ کر کھڑی ہوگئی ۔ چونکہ امام مسجد کو شہید کرنے سے کوئی دوسرا امام اسکی جگہ لے سکتا تھا اس لئے بنو عباس کے دور میں پہلی بار امام مسجد اور عالم دین کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کا نظریہ سامنے آیا ۔ ان سازشیوں نے عالم دین کو منبر رسولؐ سے اٹھایا اور شاہی دربار میں لا کر اسے اتنی بڑی عزت دی کہ کچھ عرصے کے بعد عالم دین نے منبر رسول ﷺ پر بیٹھنا بند کر دیا اس طرح مسجد ایسے لوگوں کے پاس رہ گئی کہ جو نماز ۔ نکاح اور جنازہ پڑھانے کے علاوہ کچھ نہیں جانتے اور بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوئی اہلیت نہیں رکھتے ۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر شاہی دربار میں راج بھاگ کی خیر مانگنے والوں نے بھی علمائے دین کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کے نام پر فرضی قصے کہانیوں کو فنکارانہ انداز میں بیان کرنا شروع کر دیا جن سے اسلام میں کئی فرقوں نے جنم لیا ۔ عباسی خلیفہ منصور نے جب بغداد شہر آباد کیا تو دنیا بھر کے ہنر مند معمار ۔ دستکار ۔ پیشہ ور ۔ دانشور اور اہل علم اپنے اپنے جوہر دکھانے کیلئے بغداد میں آ جمع ہوئے ۔ جن میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل تھے ان میں رومن عیسائی اور پرشین پارسیوں کے علاوہ ہندوستان کے ہندو بھی بغداد میں آئے (ماخوذ از تاریخ اسلام ملک کریم بخش) ان ہنر مندوں میں کوئی بھی عرب انجینیر ۔ معمار یا دستکار شامل نہیں تھا کیونکہ عرب صحرا نشین تھے جو خیموں میں رہنے والے تھے ۔ اس لئے بغداد شہر رومن اور پرشین تہذیب و

تمدن کا ایک خوبصورت شہر اُبھر کر سامنے آیا ۔ فرقہ پرستوں کو دیکھ کر ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کو حجر اسود کا پجاری کہنا شروع کر دیا ۔ جس سے ایک فرقہ وجود میں آیا ۔ جسے قرامطہ کہتے ہیں قرامطہ فرقے نے حجر اسود کی وجہ سے کعبے کو اور مسجد کو خدا کا گھر ماننے سے انکار کر دیا ۔ اور اسی عقیدے کے لوگوں نے مسجدوں کو جلانا اور گرانا ۔ حاجیوں کو لوٹنا اور قتل کرنا شروع کر دیا ۔ اس فرقے کو حمدان نامی شخص نے جنم دیکر بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا ۔ بعد میں اس فرقے کو ابو طاہر سلمان داؤد نے خوب ترقی دی اور 311ھ میں بصرہ کی جامع مسجد کو آگ لگا دی ۔ جب کوئی رد عمل ظاہر نہ ہوا تو 317ھ میں اسی شخص نے حج کے موقع پر نو سو آدمیوں کے ساتھ مکہ میں حجاج پر حملہ کر دیا ۔ اور بہت سارے حاجی قتل کر دیئے ۔ کعبے کا دروازہ اکھاڑ پھینکا ۔ غلاف کو پھاڑ دیا اور حجر اسود کو نکال کر لے گیا ۔ ان دنوں قرامطہ فرقے کا مرکز بحرین تھا ۔ جہاں سے بائیس سال بعد حجر اسود تین ٹکڑوں میں واپس لا کر کعبے میں نصب کیا گیا ۔ اس عرصے میں ایک سال وہ بھی آیا کہ جب 323ھ میں کعبے میں کوئی حج نہیں پڑھا گیا ۔ ڈر کی وجہ سے لوگوں نے مسجدوں میں جانا بند کر دیا ۔ حکومت کی بے حسی سے فائدہ اٹھا کر مشرق میں ملتان کے صوبے میں قرامطہ فرقے نے اور مغرب میں مصر کے صوبے میں اسماعیلی فرقے نے الگ الگ حکومتیں قائم کر لیں ۔ اس طرح جب عالم اسلام کا شیرازہ بکھرنے لگا تو خلیفہ نے مسئلہ درباریوں کے سامنے رکھا ۔ چونکہ دربار میں سب سے زیادہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر بیٹھے والے رومن اور پرشین فرقہ پرست موجود تھے جو اپنی اعلیٰ وارفع تہذیب کی وجہ سے مسجدوں اور عرب امام مسجدوں کے سخت مخالف تھے اس لئے انہوں نے آئمہ مساجد کو مورد الزام ٹھہرایا ۔ اور قرامطہ فرقے کو

حق بجانب قرار دیا۔ اس لئے خلیفہ نے قرامطہ فرقے کے خلاف کوئی ایکشن نہ لیا۔ جس کے بعد قرامطہ فرقے نے اسلامی اقدار کو مجروح کرنا شروع کر دیا اور جھوٹی حدیثوں اور روایتوں سے ضرورت کے تحت ماں۔ بہن۔ اور بیٹی سے بے حیائی تک کو جائز قرار دیا۔ (ماخوذ از تاریخ اسلام ملک کریم بخش) اس میں شک نہیں کہ بغداد عباسی حکمرانوں کا دارالخلافہ تھا۔ مگر کوئی بھی عرب باشندہ بغداد میں مستقل طور پر آباد نہیں تھا۔ کیونکہ عرب بنیادی طور پر صحرا نشین تھے۔ اس لئے عرب باشندے بغداد میں کسی طرح ایڈ جسٹ نہ کر سکے۔ جس سے رومن اور پرشین دانشوروں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور عباسی حکمرانوں کو عربوں کی نظریاتی اور واقعاتی بالادستی سے محروم کر دیا جس کے نتیجے میں وہ تمام اغراض و مقاصد اب قصہ پارینہ بن گئے۔ جنہیں سامنے رکھکر مسلمانوں نے خلفائے راشدین کے دور میں قیصر و کسریٰ کو فتح کیا تھا۔ چونکہ رومن اور پرشین شروع سے ہی تکبر اور تعصب کی وجہ سے عربوں کو نفرت اور حقارت سے دیکھتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی شکست کا بدلہ لینے کیلئے بغداد میں عربوں کی شناخت ختم کرنا شروع کی جس طرح آریہ قوم نے ہندوؤں کی شناخت ختم کی تھی۔ چونکہ قوموں کی شناخت انکے نظریے کی علمبردار ہوتی ہے۔ اس لئے ہر ملک اور قوم کے نظریے کی حفاظت اس ملک اور قوم کے دانشور کرتے ہیں جنہیں مشرق میں اشرافیہ۔ مغرب میں تھنک ٹینک اور عرب میں سیادت کہتے ہیں۔ جو ہر حکومت کی پشت پر اس کی اصل طاقت ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کی اس سیادت کا تاج رسول پاک ﷺ نے یہ کہہ کر حضرت علی کرم اللہ وجہ کے سر پر رکھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔ جس پر خلفائے راشدین نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اپنے ساتھ رکھ کر کامیابیاں حاصل

کیں اور جب مسلمان دشمن طاقتوں کو مسلمانوں کی اس سیادت کا ادراک ہوا تو انہوں نے خلفائے راشدین کے بعد علوی خاندان کو شہید کرنا شروع کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بعد حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی شہادت سے کون واقف نہیں۔ واقعہ کربلا کے بعد ولید کے دور میں امام زین العابدین۔ ہشام کے دور میں امام باقر۔ منصور کے دور میں امام جعفر صادق۔ ہارون کے دور میں امام موسیٰ کاظم۔ مامون کے دور میں امام علی رضا کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔ مگر کسی سازشی کا آج تک کوئی علم نہیں کیونکہ یہی سازشی اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد ہر شہید کے عقیدت مند بن کر اپنے آپکو بچانے میں کامیاب ہوتے رہے۔ جس نے علوی خاندان کو اتنا خوف زدہ کر دیا کہ وہ جہاں کہیں خطرہ محسوس کرتے نقل مکانی کر کے محفوظ جگہ پر چلے جاتے۔ اس طرح حکومت کی پشت پر سے جب حسنی۔ حسینی اور علوی سیادت ختم ہوگئی تو مکی۔ مدنی اور حجازی حکومت کی عربی شناخت بھی ختم ہوگئی۔ اس طرح عباسی حکومت کی قیادت اور سیادت ایرانی وزیروں اور امیروں کے پاس آ گئی۔ جن کی فطرت میں ہر مسئلے کا حل غیبی امداد میں تھا۔ ان ایرانی دانشوروں نے مسلمانوں کے بنائے ہوئے ہتھیاروں کو خدا کیطرف سے بھیجی ہوئی غیبی امداد قرار دے کر اسلام میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا۔ اور ملک کے تمام دانشوروں نے اللہ دین کا چراغ اور الف لیلیٰ کے فرضی کرداروں کو جنم دیکر تعویذوں کے ذریعے ہر مسئلہ حل کرنا شروع کر دیا۔ جس سے چند سالوں میں پوری قوم بھیڑوں کا ایک ریوڑ بن گئی اور جب منگولوں نے اس ریوڑ پر غرانا شروع کیا تو پوری دنیا پر حکومت کرنے والی یہ قوم ذہنی مریض کیطرح گلے میں تعویذ ڈال کر اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئی جس سے فائدہ

اٹھا کر ہلاکو خان نے بغیر کسی مزاحمت کے 1258ء میں بغداد پر قبضہ کر لیا۔ جب یہی ایرانی وزیر امیر علقمی وزیر اعظم کی قیادت میں ہیرے جوہرات کی طشتریاں اٹھائے ہلاکو خان کا استقبال کرنے آئے تو اس نے اعلان کیا کہ مجھے طشتریوں کی جگہ کھوپڑیوں کی ضرورت ہے اس طرح تین دن تک دریائے دجلہ سر بریدہ لاشوں کے ساتھ سرخ خون بن کر بہتا رہا۔ جو لوگ بچ گئے وہ بھاگ کر ہندوستان آ گئے۔ اور انہوں نے ملتان۔ لاہور۔ دہلی۔ لکھنؤ اور اوودھ میں جا کر اپنے آپکو آباد کیا۔ اور اسی تہذیب وتمدن کو فروغ دیا جو وہ بغداد میں چھوڑ کر آئے تھے۔ چونکہ عرب باشندے ہلاکو خان سے دو اڑھائی سو سال پہلے ہی بغداد سے ہجرت کر کے ہرات اور غزنی میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ جہاں سبکتگین اور اسکے بعد اسکے بیٹے محمود غزنوی کی حکومت تھی جن کے ساتھ مل کر ان عرب باشندوں نے قرامطہ فرقے کا قلع قمع کیا تھا۔ اس لئے سقوط بغداد میں عربوں کا کوئی کردار نظر نہیں آتا۔ چونکہ محمود غزنوی کی پشت پر علوی سیادت تھی اس لئے اس نے اسی سیادت کے زور پر ہندوستان میں مسلم انڈیا کی بنیاد رکھی جنہیں ہم قطب شاہی اعوان کہتے ہیں۔

قطب شاہی اعوان اور مسلم انڈیا

جب عباسی خلفاء کے دربار میں عربوں اور اسلام کی بالا دستی ختم ہو گئی تو علوی خاندان کے عطا اللہ شاہ غازی اپنے تینوں بیٹوں میر ساہو۔ میر قطب شاہ اور میر سیف الدین کے ہمراہ ہجرت کر کے غزنی آئے اور غزنی کے حکمران سبکتگین سے ملاقات کی۔ چونکہ عطاء اللہ شاہ غازی اور سبکتگین کے خیالات میں مکمل ہم آہنگی تھی۔ اس لئے غزنی حکومت نے عطا اللہ شاہ غازی اور ان کے خاندان کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا کر ان سے مسلسل مشاورت کا سلسلہ شروع کیا۔ عطاء اللہ شاہ غازی نے سبکتگین کو اس حد تک اعتماد میں لیا کہ سبکتگین نے اپنی بیٹی عطا اللہ شاہ غازی کے بیٹے میر ساہو کے نکاح میں دے دی۔ چونکہ عطا اللہ شاہ غازی بغداد میں خود ایک امام مسجد تھے اور انہوں نے فرقہ پرستوں کی چیرہ دستیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس لئے انہی کے مشورے پر سب سے پہلے غزنی حکومت نے ہر اس شخص کو واجب القتل قرار دیا جو اپنی شناخت مسلمان کے بجائے کسی فرقے کے نام پر ظاہر کرے۔ اس طرح غزنی حکومت فرقہ پرستی سے پاک ہو گئی۔ اور تمام مسلمان غزنی حکومت کی پشت پر آ کھڑے ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ علوی خاندان نے وراثت میں ملی ہوئی کیمیاء گری کو استعمال کیا۔ اور افغانستان میں وہ جگہ ڈھونڈ نکالی جہاں اسلحہ سازی کیلئے کافی معدنی ذخائر موجود تھے۔ جسے علاقہ غیر میں درے کا علاقہ کہتے ہیں۔ وہاں علوی خاندان نے غزنی حکومت کیلئے اسلحہ سازی کا کارخانہ قائم کیا جو اس وقت سے لیکر آج تک اسلحہ بناتا آ رہا ہے۔ چونکہ غزنی اور ہرات کے لوگ افغان قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو سبکتگین کی حکومت کے وفادار تھے جبکہ سبکتگین خود ایک ترک غلام تھا۔ جو ترقی کرتے کرتے

حکمران بنا۔ اس لئے اسکے اپنے ساتھ ترک فوجی بھی تھے۔ عطاءاللہ شاہ غازی کے آ
کے بعد میر ساہو نے غزنی اور ہرات میں آنیوالے عرب قبائل کے مختلف افراد کو اکٹھا کیا
اس طرح عرب۔ ترک اور افغان قبائل پر مشتمل فوج کی تنظیم نو کر کے انہیں اس دور ک
مطابق جدید خطوط پر ٹریننگ دینا شروع کی۔ عطاءاللہ شاہ غازی اور اسکے بیٹوں نے اپ
مشوروں اور عمل سے غزنی حکومت کو طاقت اور تحفظ کے معاملے میں کافی حد تک خود کفیل
دیا۔ راجہ جے پال نے جب غزنی حکومت پر حملہ کیا تو سبکتگین کے حکم پر اسکے بیٹے محمود نے
حملہ نہ صرف پسپا کر دیا بلکہ دریائے سندھ تک تمام علاقہ چھین لیا اور پشاور کے مقام پر ایک
چھاؤنی بنائی جس نے آگے چل کر غزنی حکومت کیلئے بطور بیس کیمپ ایک اہم کردار ادا کیا
998ء میں سلطان محمود غزنوی تخت نشین ہوا۔ 1001ء میں دریائے اٹک عبور کر کے اس
نے راجہ جے پال پر حملہ کیا۔ جس میں وہ گرفتار ہوا۔ اور کثیر زر فدیہ کے عوض رہائی پائی مگ
پے در پے شکست کی ذلت برداشت نہ کر سکا اور حکومت اپنے بیٹے انند پال کے حوالے ک
کے خود آگ میں جل مرا۔ 1006ء میں جب سلطان محمود غزنوی ملتان فتح کرنے جا
تھا تو ملتان کے قرامطی حکمران ابوالفتح داؤد کو محمود کے آنے کی خبر ملی اور وہ ملتان سے بھاگ
گیا۔ اور ملتان فتح ہو گیا۔ محمود نے ملتان کی حکومت سکھپال کے سپرد کی جس نے اسلا
قبول کر لیا تھا۔ اور واپس چلا گیا۔ مگر بعد میں سکھپال مرتد ہو گیا۔ اور دوبارہ ابوالفتح دا
حکمران بن گیا۔ جس پر محمود واپس ملتان آیا اور ابوالفتح کو شکست دے کر اسے گرفتار کیا
1010ء میں قیدی کی موت مرا۔ اسی سال انند پال بھی مر گیا۔ اور اس کا بیٹا ترلوچن پا
تخت نشین ہوا۔ جس کی حکومت کوہستان نمک تک محدود تھی۔ سازشوں کی اطلاع ملنے

1014ء میں محمود نے اس کی راج دھانی نندنہ (نزد ٹلہ بالناتھ) پر حملہ کر کے اسے فتح کر
لیا۔ ترلوچن پال کشمیر سے مدد لے کر آگے بڑھا۔ تو غزنوی فوجوں نے اسے دریائے جہلم
کے قریب شکست دی۔ جس پر قرب و جوار کے راجوں نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔
اور بہت سارے مقامی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان تمام حملوں میں قطب شاہ
نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جو اس دور میں اس فوج کے کمانڈر تھے جو عربی النسل تھے۔ جن کو نہ
صرف فن سپہ گری میں کمال حاصل تھا بلکہ ان میں علماء بھی تھے اور فقہاء بھی۔ دانشور بھی تھے
اور پیشہ ور بھی جنہوں نے مل کر ہر حملے میں ٹیکنیکل سپر میسی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ جغرافیے کے
ساتھ ساتھ مفتوحہ علاقے کے نظریات بھی بدلتے گئے۔ کوہستان نمک کا یہ علاقہ کٹاس راج
کی وجہ سے ہندوؤں کا سب سے پرانا اور سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس علاقے کو اسلام کا مر
کز بنانے کیلئے اس علاقے کے چوہانوں۔ کھوکھروں اور راجپوتوں کے ہاں قطب شاہ اور
اُس کی فوج نے شادیاں کر کے یہیں مستقل رہائش اختیار کر لی جو ہندوستان میں مسلم انڈیا
کی اصل بنیاد ہے۔ خود قطب شاہ نے چار شادیاں کیں تھیں۔ ان کی پہلی بیوی ہراتن
بغدادن تھی۔ جن کا نام بی بی عائشہ تھا۔ دوسری بیوی بی بی زینب تھی جو کھوکھر راجہ کی بیٹی تھی۔
تیسری بیوی بی بی خدیجہ تھی جو چوہان خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور چوتھی بیوی اُم کلثوم تھی
جو راجپوت راجہ طلحہ کی بیٹی تھی۔ آپ کی ان چاروں بیویوں سے گیارہ فرزند اور تین دختران
پیدا ہوئیں۔ مگر قرامطہ فرقے کی باقیات کسی نہ کسی جگہ کوئی نہ کوئی حرکت کرتی ضرور نظر
آتیں۔ جس نے محمود غزنوی کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔ آخر کار محمود غزنوی نے قطب شاہ
سے کہا کہ وہ اپنے سسرالی رشتہ داروں کے ذریعے اس بات کا پتہ چلائے کہ قرامطہ فرقے

کی کون سرپرستی کررہا ہے۔جس پر قطب شاہ نے کوہستان نمک کے چوہانوں۔کھوکھروں اور راجپوتوں کے ذریعے جب پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ سومنات مندر کا راجہ کنوررائے قرامطہ فرقے کی سرپرستی کرتا ہے۔یہ مندر خلیج کچھ پر گجرات کے قریب سمندر کے ساحل پر واقع تھا جس کے تینوں طرف خشکی اور ایکطرف سمندر تھا۔اس مندر میں شو کا بت تھا جسکے لنگ کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس مندر میں انتظام وانصرام کیلئے دو ہزار برہمن ہمہ وقت موجود رہتے تھے۔پانچ سو کے قریب انتہائی خوبصورت لڑکیاں رقص وسرور کے علاوہ دیگر خدمات کیلئے مامور تھیں۔مندر کی گھنٹیاں طلائی زنجیر سے بندھی ہوئیں تھیں۔جس کا وزن بیس من تھا۔مندر میں مذہب کے سایوں میں ہوس پرستی عروج پر تھی۔دس ہزار گاؤں کی آمدنی مندر کے نام وقف تھی۔جوار بھاٹے کی وجہ سے جب بھی پانی مندر کی دیواروں سے آٹکراتا اور کبھی میلوں دور چلا جاتا تو برہمن لوگوں کو بتاتے کہ سمندر اس عمل سے سومنات کے بت کی تعظیم اور عبادت کرتا ہے۔(ماخوذ از تاریخ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی) سلطان محمود 18 اکتوبر 1025 کو ایک عظیم الشان لشکر لیکر غزنی سے چلا۔جس میں تیس ہزار سوار تھے۔9 نومبر کو ملتان پہنچا جہاں بیس ہزار اونٹوں پر پانی کی مشکیں لاد کر اجمیر سے ہوتا ہوا گجرات کے پایہ تخت انہلواڑہ پہنچا۔گجرات کے راجہ بھیم دیو نے کوئی مزاحمت نہ کی اور محمود غزنوی 6 جنوری 1026 کو سومنات جا پہنچا۔اس نے سب سے پہلے سمندری راستے کی ناکہ بندی کی تاکہ قرامطی ملحد بحرین سے امداد نہ دے سکیں۔ایک روایت کے مطابق گجرات کے راجہ بھیم دیو نے بعد میں فوج کو منظم کر کے سومنات پہنچ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔قطب شاہ کی کمان میں فوج نے راجہ بھیم دیو کی چالیس ہزار فوج کو

شکست دیکر سومنات پر حملے میں ایک تاریخی کردار ادا کیا۔اس بروقت امداد پر سلطان محمود غزنوی نے قطب شاہ اور اسکے ساتھیوں کو اعوان کا خطاب دیا۔جنھیں ہم قطب شاہی اعوان کہتے ہیں۔بھیم دیو کی شکست کے ساتھ ہی راجہ کنوررائے مندر کے قلعے سے بھاگ گیا۔اس طرح 9 جنوری 1026 کو سومنات فتح ہو گیا۔بت ہوا میں معلق نظر آتا تھا جس کا چتر ہٹاتے ہی بت زمین پر گر پڑا۔جس کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑ کر محمود نے بت کی طاقت کے فریب کو بے نقاب کر دیا۔اور ثابت کر دیا کہ انسان کا بنایا ہوا بت انسان سے زیادہ طاقتور نہیں۔اگرچہ محمود کو اس حملے میں بے انتہا دولت ملی مگر اس نے نہ تو شہر کو لوٹا اور نہ ہی قتل عام کیا۔واپسی پر ایک ہندو کی رہنمائی میں سلطان کی فوج رستے میں بھٹک کر بے آب وگیاہ صحرا میں پھنس گئی۔اور کافی پریشانی کے بعد سندھ کے دارالحکومت منصورہ جا پہنچی جہاں قرامطی حاکم حفیف کو تہ تیغ کرنے کے بعد آخر کار واپس غزنی جا پہنچا۔جہاں اس نے واپسی پر جاٹوں کے ہاتھوں پریشان ہونے پر 1027 کو حملہ کر کے جاٹوں کا صفایا کیا۔جو سلطان محمود کا ہندوستان پر آخری اور سترھواں حملہ تھا۔۔سلطان محمود پر حرص اور لالچ کے تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔وہ علم وادب اور حکمت ودانش کا شیدائی تھا۔وہ عربی ۔فارسی اور ترکی زبان سے بخوبی واقف تھا۔ بوعلی سینا جیسا طبیب۔البیرونی جیسا ریاضی دان ماہر سنسکرت اور ہیئت دان۔فارابی جیسا فلسفی۔عقبی جیسا مورخ۔فردوسی جیسا شاعر۔ فرخی۔رازی اور منوچہری جیسے علماء اسکے دربار کی زینت تھے۔گو اس نے ہندوستان میں مستقل حکومت قائم نہیں کی مگر اپنے غلام ایاز کو لاہور کا گورنر بنا کر انسانی قدر وقیمت کی اس دور میں ایک مثال قائم کی۔جس دور میں غلاموں کو معاشرے میں کوئی بھی شخص اپنے

ہیں سمجھتا تھا۔سومنات کے حملے کے بعد سومنات بت کے ٹکڑوں کو غزنی ۔ بغداد اور مکہ
با گیا۔جس پر بغداد کے خلیفہ نے محمود غزنوی کو امین الدولہ اور یمین الدولہ کے خطابات
یے۔ان حملوں کے بعد قطب شاہی اعوانوں نے اپنی بقا اور تحفظ کی طرف توجہ دی اور
مغیر میں داخل ہونے والے قافلوں پر گہری نظر رکھی۔سکیسر پہاڑ پر ایک اعوان محل تعمیر
کیا گیا۔جو اعوانوں کا اسمبلی ہال تھا۔جب بھی کوئی قافلہ یہاں سے گزر کر جاتا تو وہ اپنی
منزل پر پہنچنے کیلئے اعوانوں کی مدد حاصل کرتا۔اس سلسلے میں اتفاق رائے پیدا کرنے کیلئے
سکیسر پہاڑ پر آگ کا ایک بہت بڑا لاؤ جلایا جاتا۔دن کو دھواں اور رات کو آگ دیکھکر
کھبیکی ۔لاوہ۔چکڑالہ۔اور دیگر مقامات کے رہنے والے اعوان اکابرین اکٹھے ہو
جاتے اور آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کرتے۔سومنات کے حملے کے بعد اسلام دشمن
عناصر نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ محمود غزنوی اور قطب شاہی اعوانوں نے دولت کے
لالچ میں ہندوستان پر حملے کئے۔اسلام یا قرامطہ فرقے سے اُن کا کوئی تعلق نہیں تھا۔اسی
پروپیگنڈے کا سد باب کرنے کیلئے اعوانوں نے سندھ اور ملتان کے ایک ایک گاؤں میں
جا کر ان تمام مسجدوں کو آباد کیا جو قرامطیوں نے اپنے دور میں جلا دی تھیں۔یا گرا دی
تھیں۔اور ہر مسجد میں ایک عالم بطور امام مقرر کیا جسے عام طور پر اعوان قاری کہتے تھے۔
اس طرح سندھ اور سرائیکی کے علاقے میں اعوان آباد ہو گئے۔مسجدوں کی آبادکاری کے
اس عمل کو اعوان کاری کہتے ہیں۔اعوان کاری پر عمل کرنے کیلئے غزنی حکومت نے اپنے
خزانے کا منہ کھول دیا۔اور ہر شخص کو اسکی اسلامی تعلیم اور اہلیت کے مطابق مسجدوں میں
امام مقرر کیا گیا۔مسجدوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ہر امام مسجد کے گھر پر قرآن کریم کے ساتھ

ساتھ لڑکیوں کو گھر گرہستی کی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔سلائی ۔کڑھائی۔صفائی اور
اجتمائی بھلائی کی تعلیم نے مسلمانوں میں جائنٹ فیملی سسٹم کو فروغ دیا جس سے ہر مسلمان
عورت اپنے باپ ۔بیٹے۔بھائی اور سرتاج کی سرپرستی پر فخر کرنے لگی اس طرح جائنٹ فیملی
سسٹم نے عورت کو آزادی کی جگہ عزت عطا کی جو اعوان کاری کا ایک انتہائی اہم پہلو ہے۔
اسلام سے اعوانوں کی اس محبت اور پیار نے جہاں مسجد کی اہمیت کو اجاگر کیا۔وہاں آئمہ
مساجد کو بھی معاشرے میں ایک باعزت اور باوقار مقام مل گیا۔چونکہ آئمہ مساجد علماء بھی
تھے اور فقہا بھی اور مسجد ایک سرکاری ادارہ تھا اس لئے تمام سٹیٹ پراپرٹی کا انتظام وانصرام
انہی آئمہ مساجد کے سپرد تھا جسے منصبداری نظام کہتے ہیں۔چونکہ اسلام میں کوئی
جاگیرداری نظام نہیں ۔تمام مفتوحہ علاقے جہاد کے ذریعے اسلامی سلطنت میں شامل
ہوتے ہیں اور جہاد خدا کے نام پر کیا جاتا ہے اس لئے خدا کے نام پر حاصل ہونے والی
پراپرٹی سٹیٹ پراپرٹی ہوتی ہے کسی کی جاگیر نہیں ہوتی۔ جاگیرداری نظام موروثی نظام
ہے جبکہ منصبداری نظام منصب دار کے مرنے یا ہٹنے سے سٹیٹ پراپرٹی کسی دوسرے
منصبدار کے کنٹرول میں آجاتی ہے۔اس طرح غزنی دور سے ہر مسجد سٹیٹ پراپرٹی کی
مالک تھی جس کا منصبدار امام مسجد تھا۔ان تمام منصبداروں نے اپنے اپنے گاؤں اور شہر میں
ایک مربوط نظام قائم کر رکھا تھا۔تمام منصبدار صوبیدار کے ماتحت ہوتے تھے۔جو علاقے
کا گورنر ہوتا تھا۔اس لئے نیچے سے اوپر تک ایک مسلسل رابطہ رہتا جس سے امن وامان اور
عدل وانصاف کے معاملے میں یہ منصبداری نظام ایک مثالی نظام بن کر سامنے آیا۔محمود
غزنوی کے بعد جو بھی حکمران برسراقتدار آیا اس نے اس نظام کو قائم رکھا۔اور جوں جوں

مسلمان ہندوستان میں پھیلتے گئے یہ نظام بھی اسی طرح پھیلتا گیا۔ 1100ء میں غزنوی
خاندان نے غزنی کی جگہ لاہور کو دارالخلافہ بنایا۔ 1186ء میں غزنوی حکومت ختم ہوگئی۔ اور
شہاب الدین محمد غوری برسراقتدار آیا۔ جس نے 1191ء میں دہلی اور اجمیر کے راجہ پرتھوی
راج چوہان سے شکست کھانے کے بعد 1192ء کو دوبارہ حملہ کیا اور راجہ پرتھوی راج کو
شکست دی اور گرفتار کر کے قتل کر دیا اور قطب الدین ایبک کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ واپس
جاتے ہوئے دریائے جہلم کے کنارے محمد غوری کو مارچ 1209ء میں گکھڑوں نے قتل کر
دیا۔ جون 1209ء میں قطب دین ایبک مسلم انڈیا کا پہلا حکمران باشاہ بنا۔ جس نے لاہور
کو دارالخلافہ بنایا۔ جو اسلامی دنیا کا مرکز بن گیا۔ 1210ء میں قطب الدین ایبک کی
وفات کے بعد اسکا غلام التمش تخت نشین ہوا۔ جس نے دہلی کو دارالخلافہ بنایا اور مسلمانوں کی
مدد کی۔ تاتاریوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر جب بخارا۔ غزنی۔ سمرقند اور نیشا پور سے
ہزاروں علماء اور ہنر مند ہجرت کر کے ہندوستان آئے تو التمش نے علماء کے وظائف مقرر
کئے اور دست کاروں کو صنعت پر لگایا۔ 1236ء میں التمش کی وفات کے وقت ہندوستان
پر مسلمان ہمالیہ سے نربدا اور سندھ سے بنگال تک قابض تھے جس کا تمام تر کریڈٹ ان
قطب شاہی اعوانوں کو جاتا ہے جنہوں نے قرامطہ فرقے کو ختم کر کے ہندوستان میں فرقہ
پرستی سے پاک اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی۔ اسی معاشرے میں التمش کا بیٹا ناصر الدین
محمود بھی پل بڑھ کر جوان ہوا۔ یہ بادشاہ قرآن کریم کی کتابت کیا کرتا تھا۔ بے باک
جنگجو علم دوست اور بیت المال کو عوامی ملکیت سمجھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بیوی گھر کا کام
کاج خود کرتی تھی یہ وہ معاشرہ تھا جو عمر فاروقؓ ۔ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں نظر آتا

ہے۔ 1266ء میں ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد غیاث الدین بلبن تخت نشین ہوا۔ جو
التمش کا غلام تھا۔ اور بعد میں التمش نے اسے اپنا داماد بنالیا۔ بلبن نے 1286ء تک حکومت
کی یہ وہ دور تھا کہ جب تموچن یعنی چنگیز خان وسط ایشیا میں منگول قبیلے کا سردار بنا جو کہ
ایک وحشی قبیلہ تھا جس نے فرقہ پرستی کی وجہ سے کمزور مسلمان حکومتوں کو تہس نہس کر کے کئی
بار ہندوستان پر حملہ کیا۔ مگر ناکام رہا کیونکہ یہاں مسلمانوں میں فرقہ پرستی ایک واجب
القتل جرم تھا جس کی ابتدا سبکتگین نے کی تھی اس لئے یہاں مسلمان پوری طرح متحد تھے۔
خاندان غلاماں کے قطب الدین ایبک۔ التمش۔ ناصر الدین محمود۔ اور بلبن نے مسجد کلچر
کے تحت مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر رکھ کر طاقت اور تحفظ کی ایک ایسی مثال قائم کی کہ
منگول ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرا ت نہ کر سکے۔ سقوط بغداد کے بعد منگولوں نے
ہندوستان پر کئی حملے کئے مگر علاؤالدین خلجی نے ہر بار ان کو عبرتناک شکست دی۔ ایک ان
پڑھ حکمران ہونے کے باوجود اس نے نہ صرف سلطنت کو وسعت دی بلکہ منصبداری نظام
کے تحت رشوت اور کرپشن کا مکمل خاتمہ کیا۔ اشیائے صرف کی قیمت بندی علاؤالدین خلجی
کے دور کا ایک تاریخی کارنامہ ہے جس پر آج تک عملدرآمد ہوتا آرہا ہے۔ دہلی میں مسجد
قوت الاسلام اور مسجد نظام الدین اولیاء کو وسیع کیا۔ خلجی دور کے بعد تغلق خاندان نے بھی
رفاہِ عامہ کے لئے کئی کام کئے۔ فیروز تغلق نے پچاس مسجدیں۔ تیس دارالعلوم۔ بیس محل۔
بیس حوض۔ سات سو قصبے۔ ایک سو ہسپتال۔ ایک سو حمام۔ ایک سو پچاس پل تعمیر کئے۔
فیروز آباد کے نام پر دہلی سے پانچ میل کے فاصلے پر نیا دارالخلافہ بنا کر آباد کیا۔ اسی طرح
پانچ نہریں جمنا اور ستلج سے نکالی گئیں۔ جن میں سے نہر جمن غربی اب تک موجود

ہے (ماخوذ از تاریخ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی)۔جب اقتدار کی جنگ میں تغلق خاندان تقسیم
ہو گیا تو امیر تیمور لنگ نے دہلی پر حملہ کیا اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔اور مال غنیمت میں
کاریگروں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے ساتھ لے گیا۔جس سے فائدہ اٹھا کر 1526ء
میں ظہیر الدین بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان
میں مغلیہ خاندان کی بنیاد رکھی۔مغلوں کی آمد سے پانچ سو سال پہلے جب اعوانوں نے
قرامطہ فرقے کے ہاتھوں ویران ہونے والی مسجدوں کو آباد کرنا شروع کیا تو مسجد کے جس
چبوترے پر کھڑے ہو کر اذان دی جاتی ہے وہی چبوترا اونچا ہوتے ہوتے مسجد کا مینار بن
گیا۔جو دور سے نظر آنے پر ہر کسی کو یقین ہو جاتا کہ یہ مسلمانوں کی آبادی ہے۔اعوان
کاری کے نام پر اعوانوں نے جس مسجد کلچر کو فروغ دینا شروع کیا تھا۔اسکا ایک پہلو یہ بھی
ہے کہ جب بھی کوئی قافلہ یا لشکر سکیسر کے پہاڑ کے دامن سے گزر کر برصغیر میں داخل ہوتا تو
اسے اپنی سپلائی لائن اور محفوظ پشت کیلئے ہمیشہ اعوانوں کی مدد حاصل کرنا پڑتی۔اور اعوان
ہر ایسے قافلے یا لشکر کی مدد کرتے جو منزل مقصود پر پہنچ کر مسجد تعمیر کرنے کا وعدہ کرتا۔ظہیر
الدین بابر کی بابری مسجد بھی اسی وعدے پر ایودھیا میں تعمیر ہوئی ورنہ بابر کے متعلق مشہور
ہے کہ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔بابر نے ہندوستان پر حملہ کرنے سے پہلے تلہ
گنگ کے علاقے میں مدوٹ کے مقام پر پڑاؤ کیا پھر کلر کہار کے مقام پر اپنا دربار لگایا۔
جہاں اب بھی ایک پتھر تخت بابری کے نام پر مشہور ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ بابر کے
آنے تک اس علاقے کے مسلمان کتنے مضبوط اور طاقتور تھے۔

اکبر کا دین الٰہی اور بندوبست اراضی

1026ء میں سومنات کے حملے سے لیکر 1526ء میں بابر کے حملے تک ہندوستان میں دو
کلچر اُبھر کر سامنے آئے ایک مسجد کلچر جس کو اعوانوں نے اعوان کاری کے ذریعے فروغ دیا
اور دوسرا صوفی کلچر جس کو اولیائے کرام نے متعارف کرایا۔جن میں حضرت داتا گنج بخش۔
خواجہ معین الدین چشتی۔حضرت بہاؤالدین ذکریا۔خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔بابا
فرید گنج شکر اور شیخ نظام الدین اولیاء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ان اولیائے کرام نے
جب لوگوں کو اُن کی اپنی زبان میں خلوص۔نرمی۔اعلیٰ کردار اور برتاؤ سے اسلام کا پیغام دینا
شروع کیا تو بڑے بڑے پنڈتوں اور ٹھاکروں نے ان اولیائے کرام کے ہاتھوں پر اسلام
قبول کرنا شروع کر دیا جس نے ہندو معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا۔ذات پات کی وجہ سے
برہمنوں کی بالا دستی خطرے میں پڑ گئی۔جس پر یوگا کرنے والے کئی ہندو یوگی اپنی اپنی
روحانی طاقت کا مظاہرہ کرنے کیلئے میدان میں آنکلے۔جنہوں نے جوگی بن کر اولیائے
کرام کے مزاروں پر دھمال ڈالنا شروع کی جہاں بھنگ۔چرس اور گانجا پینے والے یہی جو
گی پہنچے ہوئے بزرگ اور مجذوب بن گئے۔جن کے چیلے چانٹوں نے مجاور بن کر مزار کلچر
کی بنیاد رکھی اور رام اور رحیم کو ایک ہی سکے کے دو پہلو قرار دے کر ہندو مسلم اتحاد کو فروغ
دینا شروع کیا۔جسکے نتیجے میں بھگتی تحریک کیطرح کئی تحریکوں نے جنم لیا۔جن میں گرونانک
کی سکھ تحریک سرفہرست ہے۔جس کا بنیادی نظریہ انسان کا سکھ ہے اور اس نظریے کے پیر
کاروں کو سکھ کہا جاتا ہے۔انہی تحریکوں سے متاثر ہو کر اکبر بادشاہ نے دین الٰہی کے نام پر
ایک سرکاری مذہب رائج کیا۔جس کا کوئی عبادت خانہ نہیں تھا ہر شخص اپنے اپنے طریقے

سے اپنی اپنی پسند کے مطابق عبادت کرسکتا تھا۔ اس طرح مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد
مسجدوں کو چھوڑ کر مزاروں ۔ درباروں اور دین الہیٰ کے پیروکاروں سے جاملی۔ اکبر کی
قیادت کے پیچھے نورتنوں کی سیادت تھی جس میں ایک اعوان بھی شامل نہیں تھا۔ بظاہر وہ
ایک مسلمان باشاہ تھا مگر حقیقت میں وہ مشرک اعظم تھا۔ جسے لوگ مغل اعظم کہہ کر پکارتے
ہیں۔ 1530ء میں بابر کی وفات کے بعد اسکا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا۔ 1540ء میں جب
وہ شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران کیطرف جارہا تھا تو 1542ء میں عمر کوٹ کے مقام
پر اکبر پیدا ہوا۔ قندھار کے مقام پر ہمایوں کے سوتیلے بھائی کامران نے ہمایوں کو گرفتار کر
نے کی کوشش کی مگر وہ بچ نکلا البتہ اکبر اسکے ہاتھ لگا جس کی بیوی نے اسکی پرورش کی۔
1549ء میں ہمایوں نے کامران کو شکست دیکر یرغمال بنائے گئے اکبر کو حاصل کیا۔ اور ایک
ایرانی سردار بیرم خان کو اسکا اتالیق مقرر کیا۔ جس نے 1556ء میں ہمایوں کی وفات کے
بعد اکبر کو کلانور ضلع گورداسپور کے مقام پر تخت نشین کیا۔ 1560ء میں اکبر ایک مطلق
العنان حکمران بن گیا جس نے اٹھارہ سال کی عمر میں اپنی سیادت کے مشورے پر جے
پور کے راجہ بہاری مل کی بیٹی جودھا بائی کو مسلمان کئے بغیر شادی کی اور ہندوؤں پر سے
جزیہ ٹیکس معاف کردیا۔ اکبر کے اہم اقدام پر علمائے کرام نے اکبر کو ملحد اور کافر قرار دیکر
دائرہ اسلام سے خارج کردیا۔ حکومت اور علماء کی اس کشمکش میں حضرت مجدد الف ثانی لیڈر
بن کر سامنے آئے۔ جن کو آئمہ مساجد کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ ان آئمہ مساجد میں سب
سے زیادہ تعداد اعوانوں کی تھی۔ اس لئے اکبر نے اس بغاوت کو ختم کرنے کیلئے تلہ گنگ کا
دورہ کیا جہاں گولڑہ اعوان خاندان کے مولانا عبدالرحیم اکبر کے سخت مخالف تھے جن کا

تعلق تھوہا محرم خان سے تھا۔ کھچیاں کے مقام پر مولینا موصوف سے اکبر کی ملاقات ہوئی
جہاں بادشاہ نے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کیلئے ایک مسجد تعمیر کرائی جو آج تک
وہاں موجود ہے۔ 1575ء میں اکبر نے فتح پور سیکری کے مقام پر ایک جماعت خانہ تعمیر کیا
جس میں تمام مذاہب کے لوگ مذہبی مجالس منعقد کرتے جس پر 1582ء میں اکبر نے
ابوالفضل اور فیضی کے مرتب کردہ اصولوں پر ایک مشترکہ مذہب کو جنم دیا جسے دین الہیٰ کہتے
ہیں دین الہیٰ کا مسودہ تیار کرنے والے دونوں بھائی مبارک کے بیٹے تھے جو قرامطہ فرقے
کا بہت بڑا علمبردار تھا۔ یہ دونوں بھائی نورتنوں میں شامل تھے اس لئے انہوں نے اکبر کے
دور میں بغداد سے آنے والوں کی کافی مدد کی۔ جن کی بہت بڑی تعداد دہلی۔ لکھنو اور
اودھ میں بادشاہ کی ہمنوا ہوگئی۔ پنجاب میں اعوانوں کی مخالفت کی وجہ سے اکبر نے اپنا
دارالخلافہ فتح پور سیکری سے لاہور منتقل کیا۔ اور شاہی قلعہ تعمیر کیا جسکی بغل میں نورتنوں نے
شاہی محلّہ تعمیر کیا۔ چونکہ نورتنوں نے دین الہیٰ کو سب سے پہلے اپنایا اس لئے شاہی محلّہ
اکبر بادشاہ کی وجہ سے سرکاری سطح پر ایک مشہور قحبہ خانہ بن کر سامنے آیا جو اب بھی وہاں
موجود ہے۔ پنجاب میں آنے کے بعد نظریاتی ہم آہنگی کی وجہ سے اکبر نے سکھوں کے
چوتھے گرورام داس کو امرتسر والی جگہ بطور جاگیر دی اور اعلان کیا کہ جو شخص کسی مسجد کے امام
کو بیدخل کرے گا اسے مسجد کے ساتھ وقف شدہ جائداد بطور جاگیر ملے گی۔ اس طرح اکبر
نے منصب داری نظام کی جگہ جاگیرداری نظام کو فروغ دیا اور مسجدوں اور امام مسجدوں کے
خلاف اُسی طرح عمل کرنا شروع کیا جس طرح قرامطہ فرقے نے بنو عباس کے دور میں کیا
تھا اس اعلان کے بعد آئمہ مساجد اپنی جان بچا کر زیر زمین چلے گئے جو پکڑے گئے ان

کی زبانوں کو داغا گیا۔جس کی وجہ سے کئی آئمہ مساجد کی اولاد میں اب تک لکنت ہے جنہیں ہم شدہ کہتے ہیں۔ مسجدوں کی وقف شدہ جائیدادیں حاصل کرنے والوں کو قانونی تحفظ دینے کیلئے اکبر کے حکم پر راجہ ٹوڈرمل نے بندوبست اراضی کی بنیاد رکھی جسے ہندو مسلمانوں کے خلاف اکبر کا بندوبست کہہ کر مذاق اڑایا کرتے تھے۔ جو یہ اصطلاح اب تک جاری ہے اس بندوبست میں ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کو بھی ذات پات میں تقسیم کیا گیا۔اور دین الٰہی کے پیدا کردہ جاگیرداروں کو اعلیٰ ذات اور مسلمان کاریگروں ۔ دانشوروں اور پیشہ وروں کو نیچ ذات قرار دے کر سرکاری ریکارڈ مال مرتب کیا گیا۔جس نے نہ صرف مسلمانوں کو ذہنی طور پر معذور و مفلوج کر کے رکھ دیا بلکہ سرکاری سطح پر بھی اشرافیہ کی جگہ راج بھاگ کی خیر مانگنے والے شاہی دربار کی زینت بن گئے ۔چونکہ اکبر بادشاہ سلیم چشتی کا مرید تھا۔اس لئے مزاروں کے مجاوروں اور پیروں فقیروں نے بھی مزاروں سے اٹھ کر شاہی دربار کی زینت بننا شروع کر دیا۔اور جاگیریں حاصل کر کے مزاروں پر چادریں چڑھانے اور عرس منانے کا رواج شروع ہوا۔ان تمام حالات کے باوجود کسی مسلمان عورت نے کسی ہندو سے شادی نہیں کی۔ اور نہ ہی بغیر نکاح کے کسی کی بیوی بننا قبول کیا۔البتہ ملت فروش عناصر نے اکبر بادشاہ کی پیروی میں کافی تعداد میں ہندو عورتوں کو مسلمان کئے بغیر شادیاں کیں۔اور سرکار اور سسرال دونوں سے دولت اور جائیداد حاصل کر کے اپنے آپ کو بندوبست اراضی میں جاگیردار کا اندراج کرایا۔اسی طرح فرقہ پرستوں اور پیروں نے بھی نئے ناموں سے سید اور سجادہ نشین کا اندراج کرایا۔سولھویں صدی کے ان پیروں سیدوں اور سرداروں نے ہندوؤں کی بت پرستی اور رسم و رسومات کو اپنا کر اسلامی معاشرے کو ہندو

معاشرے میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔جس سے مسلمانوں میں خدا پرستی کی جگہ شخصیت پرستی کو فروغ ملا ۔اس شخصیت پرستی کی وجہ سے آج بھی امام مسجد کے پیچھے پانچ وقت نماز پڑھنے والا مسلمان امام مسجد کی وہ عزت نہیں کرتا جو وہ پیر صاحب ۔شاہ صاحب اور سردار صاحب کی عزت کرتا ہے۔چونکہ لاہور اور ملتان میں رہنے والے ان تمام لوگوں نے دین الٰہی قبول کر کے جاگیریں حاصل کیں جن کے آباؤ اجداد سقوطِ بغداد کے بعد بھاگ کر ہندوستان آئے تھے اس لئے لاہور اور ملتان کی بڑی بڑی حویلیاں دینِ الٰہی کے فنکاروں اور مجروں سے چمک اُٹھیں جس نے اُس اسلامی معاشرے کو بری طرح متاثر کیا جو صدیوں سے اعوانوں نے مسجد کلچر کے ذریعے قائم کر رکھا تھا۔اکبر کے اس دین الٰہی کو نہ تو کسی اعوان نے قبول کیا اور نہ ہی اکبر نے یہ دین کسی اعوان کو پیش کرنے کی جرات کی البتہ بندوبست اراضی کا یہ کینسر بعد میں آنے والے سکھوں اور انگریزوں کے دور میں پھیلتا گیا جس نے اعوان معاشرے کو بھی متاثر کیا مگر کسی نے بھی اس پر کوئی توجہ نہ دی اس طرح مسلمان کئی فرقوں ۔کئی آستانوں اور کئی قوموں میں تقسیم ہو گئے۔چونکہ یہ تقسیم اکبر کے سرکاری ریکارڈ مال کا حصہ بن گئی جس کو بعد میں کسی حکومت ۔نے تبدیل نہیں کیا۔اس لئے سرکاری سطح پر یہ ریکارڈ مال آج بھی مسلمانوں کے سیاسی ۔سماجی ۔معاشی اور مذہبی انتشار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اکبر نے زنا اور جماع کے فرق کو ختم کر کے بے حیائی کو اپنے عروج پر پہنچایا۔جب اسی کے محل میں اسی کے نطفے سے انارکلی پیدا ہوئی۔اور اسکے بیٹے سلیم نے اسی سے شادی کرنا چاہی تو اکبر نے انارکلی کو دیوار میں چنوا دیا۔کیونکہ وہ دونوں بہن بھائی تھے یہ وہ تاریخی حقایق ہیں کہ جن پر آرٹ اور ادب کا پردہ پڑا ہوا ہے۔اکبر نے دین الٰہی میں

کلمے سے محمد الرسول اللہ کے الفاظ ہٹا کر اکبر خلیفۃ اللہ کے الفاظ شامل کئے شیر اور خنزیر کا گوشت حلال قرار دیا۔ گئو کشی ممنوع قرار دی۔ محمد۔ احمد۔ مصطفیٰ۔ ناموں پر پابندی عائد کی۔ عربی زبان اور رمضان کے روزے ممنوع قرار دیئے۔ صبح سویرے سورج کی پوجا کی جاتی۔ باشاہ خود ماتھے پر تلک لگا کر جھروکہ درشن دیا کرتا۔ جو دین الٰہی میں عبادت سمجھی جاتی تھی۔ (ماخوذ از تاریخ مغلیہ اصغر علی جعفری) اگر ہم اکبر کے دین الٰہی اور بندوبست اراضی کا مجموعی طور پر جائزہ لیں تو یہی نظر آتا ہے کہ اکبر نے اسلام اور مسلمانوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ جسکی تلافی کیلئے اورنگ زیب نے گنگ اعوانوں کے ساتھ مل کر قابل تحسین کوشش کی مگر اسے وہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی جس کی توقع تھی۔ اس طرح اورنگ زیب کے بعد مغلیہ سلطنت روبہ زوال ہو کر ختم ہو گئی۔ اس میں شک نہیں کہ شاہ جہان اور اورنگزیب نے دہلی اور لاہور میں عالیشان مسجدیں تعمیر کر کے مسلمانوں کو مسجد اور امام مسجد کی اہمیت کا احساس دلایا۔ کیونکہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر رکھنے کیلئے رسول پاک ﷺ نے اپنی زندگی میں مسجد کے علاوہ اور کوئی سیاسی۔ سماجی۔ معاشی یا مذہبی ادارہ قائم نہیں کیا۔ اس لئے مسجد اسلامی حکومت کا واحد سرکاری ادارہ ہے۔ مگر آج جب میں شام کو مسجد کے خادم کو گداگری کرتے دیکھتا ہوں تو بحیثیت مسلمان میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ اور میں یہ سوچنے لگتا ہوں کہ کیا مسجد اور امام مسجد کا یہی وہ مقام ہے جس کی بنیاد رسول پاک ﷺ نے از خود امام مسجد بن کر رکھی تھی۔ میرے خیال میں جب سے مسلمانوں نے مسجد کی جگہ دوسرے اداروں کو اہمیت دینا شروع کی اُس دن سے مسلمان اتحاد۔ ایمان اور تنظیم کی نعمت سے محروم ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر اور گنگ اعوان

1605 میں جب اکبر کی موت کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا تو گوالیار کے قلعے میں بند حضرت مجدد الف ثانیؒ کو رہا کر کے اس نے مسلمانوں کے دل میں اکبر کی پیدا کی ہوئی نفرت کو کافی حد تک کم کر دیا۔ 1611ء میں جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کی جو بہت جلد سیاہ سفید کی مالک بن گئی۔ اس نے شاہ جہاں کی جگہ اپنے داماد شہریار کو بادشاہ بنانے کی بہت کوشش کی مگر وہ چونکہ ایرانی تھی اس لئے وہ عرب۔ افغان۔ اور ترک امراء کو اپنے ساتھ نہ ملا سکی۔ اس کے باوجود 1627 میں جہانگیر کی موت کے بعد جہانگیر کی وصیت کے مطابق شہریار نے لاہور پہنچ کر اپنی باشاہت کا اعلان کیا تو شاہ جہاں نے دکن سے آ کر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اور 1628ء میں تخت نشین ہو گیا۔ شاہ جہاں نے یہ کامیابی فوج کے کمانڈر انچیف مہابت خان کے ذریعے حاصل کی۔ دونوں حضرات حضرت مجدد الف ثانی کے مرید تھے۔ اور اکبر نے اسلام کو جو نقصان پہنچایا تھا اسکی تلافی کرتے ہوئے شاہ جہان نے دہلی میں دنیا کی خوبصورت ترین جامع مسجد تعمیر کی۔ 1657ء میں شاہ جہان بیمار پڑ گیا اور آٹھ دن تک بے ہوش رہا اس کے چار بیٹے تھے۔ مراد۔ شجاع۔ دارشکوہ اور اورنگزیب۔ ان بیٹوں میں اقتدار کی جنگ شروع ہوئی۔ آخر کار اورنگ زیب کامیاب ہوا۔ اور 1658ء میں تخت نشین ہوا۔ شاہ جہاں آگرہ قلعے میں نظر بند رہا۔ جہاں وہ 1666ء میں فوت ہوا۔ اور اسے تاج محل آگرہ میں دفن کیا گیا۔ اورنگ زیب 1658ء سے لیکر 1707ء تک یعنی انچاس سال تک برسر اقتدار رہا۔ برصغیر کی تاریخ میں اورنگ زیب نے دین الٰہی کے اثرات ختم کرنے کیلئے ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

برصغیر کے مسلمانوں کو ایک نئی قوت اور نئی زندگی عطا کی۔ اکبر کے دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دین الٰہی کے خلاف جو تحریک شروع کی تھی اسے تاریخ میں تحریک جہاد کہا جاتا ہے۔ جسے بعد میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے آگے بڑھایا۔ اورنگ زیب نے سب سے پہلے دین الٰہی کے پیروکاروں جاگیرداروں اور شاہی محلے کے فنکاروں کی سرکاری سرپرستی اور سرکاری وظائف ختم کر دیئے جس پر وہ فن کار جن کو پٹیالہ اور گوالیار جیسے عیاش راجے پسند کرتے تھے وہ وہاں چلے گئے۔ جو آج بھی موسیقی میں پٹیالہ اور گوالیار گھرانوں پر فخر کرتے ہیں اور جو بچ گئے انہوں نے اسی شاہی محلے میں قحبہ خانے کے استعمال کو جاری رکھا۔ مسلمانوں کے ماتھے پر لگے ہوئے اس داغ کو مٹانے کیلئے اورنگ زیب نے شاہی محلے سے متصل دنیا کی سب سے بڑی شاہی مسجد تعمیر کرائی۔ اسی طرح اسلامی قوانین کی ایک تعزیرات مرتب کر کے اسے بطور قانون رائج کیا جسے فتاویٰ عالمگیری کہتے ہیں۔ اورنگ زیب کے ان اقدامات پر اسلام سے متصادم تمام مشرک منافق اور مخالف لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اور اکبر کے دین الٰہی کو بحال کرنے میں مصروف ہو گئے۔ چونکہ مسجد مندر یا گرجے کی طرح دین الٰہی کا کوئی عبادت خانہ نہیں تھا اس لئے دین الٰہی کے پیروکار جب بھی کسی مجلس مذاکرہ۔ محفل موسیقی یا کسی سازشی پروگرام کیلئے اکٹھے ہوتے تو وہ ایسی میٹنگ کو معرکہ کہتے تھے۔ اکبر کے مرنے کے بعد دین الٰہی کے یہ معرکے پہلے جہانگیر کے بیٹے خسرو کے ہاں پھر شاہ جہان کے بیٹے داراشکوہ کے ہاں منعقد ہوتے تھے۔ جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو ان معرکوں کا مرکز راجپوتوں کے پاس چلا گیا۔ جنہیں اپنے دادا اکبر کے دین کا یہ حال دیکھ کر اورنگ زیب پر سب سے زیادہ غصہ تھا۔ اس لئے انہوں

نے دین الٰہی کے پیروکاروں کے ذریعے ایک جال بچھایا۔ اور اورنگ زیب کے مخالفین کے ساتھ مل کر راجپوتوں نے معرکے منعقد کرنا شروع کر دیئے۔ اور اپنی کاروائیوں کو خفیہ رکھنے کیلئے راجدھانی جے پور سے دور گنگا پور نامی ایک گمنام قصبے کو مرکز بنا کر وہاں حکومت مخالف معرکے منعقد کرنے لگے۔ اورنگ زیب کو لاہور میں شاہی مسجد کی تعمیر کے دوران جب ان معرکوں کا علم ہوا تو اس نے شاہی مسجد کی تعمیر میں اعوانوں کا جوش وخروش دیکھ کر اعوانوں کے ذریعے ان معرکوں کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا۔ ان اعوانوں میں تھوہا محرم خان کے مولانا عبدالقادر بھی شامل تھے۔ جو مولانا عبدالرحیم کے پڑپوتے تھے۔ ان سب کو اورنگ زیب نے ایک اعوان رجمنٹ بنا کر گنگا پور بھیجا جہاں دین الٰہی کے پیروکاروں نے اسلام قبول کر کے گنگا پور کو اسلام کا ایک قلعہ بنا دیا۔ جو آج بھی راجستھان میں ضلع جودھ پور کا ایک مشہور شہر ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے۔ اورنگ زیب نے اس کامیابی کے بعد گنگا پور کے ان اعوانوں میں سے کچھ لوگوں کو ساتھ رکھ کر گول کنڈہ اور بیجا پور فتح کیا اور جب وہ احمد نگر میں فوت ہو گیا تو اسکے ساتھ گئے ہوئے اعوان دکن اور میسور کی کشمکش میں فوجی خدمات دیتے رہے۔ اور میسور کے حکمران بن گئے۔ جو تاریخ میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ کئی لوگ آپ کو ارکاٹ کے قریشی ظاہر کرتے ہیں مگر تحقیق الاعوان پنجاب کی شائع کردہ کتاب تاریخ سادات۔ علوی اعوان اور مشائخ مرتبہ جناب زین العابدین علوی صاحب کے صفحہ نمبر 45 پر درج ہے کہ سلطان حیدر اور سلطان ٹیپو اعوان تھے جن کے آباؤ اجداد نقل مکانی کر کے میسور گئے۔ جو حضرت شیخ بہلول دریائی کی اولاد ہیں جن کا مدفن چنیوٹ کے قریب ہے۔ اور جو اعوان اورنگ زیب

کے ساتھ نہیں گئے تھے وہ واپس تلہ گنگ گھروں میں آ گئے جن کو لوگ گنگا پور کے حوالے سے گنگا کے اعوان کہتے تھے جنہیں اب گنگ اعوان کہا جاتا ہے۔ جو واپس آنے کے بعد موجودہ تلہ گنگ کے ٹھلے کے ارد گرد قابل کاشت رقبوں پر ڈھوکیں بنا کر آباد ہوئے جس سے کچھ عرصے کے بعد انہی ڈھوکوں پر رہنے والوں کی اولاد گوت اور وڑھیوں کی شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ جب گنگ اعوانوں نے تلہ گنگ میں آ کر کھیتی باڑی شروع کی تو بغیر کسی ریکارڈ کے ٹھلے بندی کی بنیاد پر وراثت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی طرح تلہ گنگ کے تاریخی ٹلے پر ہندو۔ سکھ اور شیخ بھی بھیرہ۔ میانی اور چنیوٹ سے آ کر آباد ہوئے جنہوں نے تجارت کو اس حد تک فروغ دیا کہ قیام پاکستان سے قبل تلہ گنگ لکڑی اور گڑ کی بہت بڑی منڈی تھی۔ موجودہ پوسٹ آفس والی جگہ پر نارتھ ویسٹرن ریلوے کی آؤٹ ایجنسی تھی۔ جہاں چکوال سے دیار اور چیل کے بڑے بڑے تنے بیل گاڑیوں پر آتے تھے۔ اسی طرح مین بازار میں سلطان خان مارکیٹ والی جگہ پر گڑ منڈی تھی۔ جہاں سرحد اور پنجاب سے آنیوالا گڑ نیلام ہوا کرتا تھا۔ چمڑے اور جوتوں کے کاروبار پر شیخ تاجروں کی اجارہ داری تھی جو ابھی تک قائم ہے۔ جس کی اصل بنیاد گنگ اعوانوں کی آباد کاری ہے۔ جن کے آباؤ اجداد نے محمود غزنوی کے دور میں اس علاقے میں مسلم انڈیا کی بنیاد رکھی تھی۔ اس لئے سکھوں اور انگریزوں نے اپنے اپنے دور میں اعوانوں کی تاریخ مسخ کرنے کیلئے اس علاقے کو مریلوں (ڈاکوؤں) کی سرزمین قرار دیا جیسا کہ انگریزوں کی مرتب کردہ بنائے دیہہ سے ظاہر ہے جو اس کتاب میں بطور ضمیمہ جات شامل ہے۔

سکھوں کے گرو اور سکھا شاہی

سومنات کے حملے کے بعد جب مسلمانوں نے ہندوؤں پر نظریاتی اور واقعاتی بالادستی قائم کی تو اسی بالادستی کو پانچ سو سال تک سلاطین دہلی نے قائم رکھا۔ جو ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک سنہری دور حکومت تھا۔ سقوط بغداد کے بعد جب فرقہ پرست بغداد سے بھاگ کر ہندوستان میں آئے تو انہوں نے یہاں بھی فرقہ پرستی کو فروغ دیا۔ جس سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کے خلاف کئی تحریکوں نے جنم لیا جن میں سکھ مذہب کی تحریک مسلمانوں کے خلاف ایک انتہائی فعال تحریک نظر آتی ہے۔
اس تحریک کے بانی گورونانک تھے جو ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔ آپ 1469 میں تلونڈی (ننکانہ صاحب) میں پیدا ہوئے اور تمام زندگی ہندوؤں کی تیرتھ یاترا کے ساتھ ساتھ اولیائے کرام کے مزاروں اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کی بھی زیارت کرتے رہے۔ 1539 میں آپ غائب ہو گئے اور انکے ایک ہندو چیلے انگد جی کو سکھوں نے دوسرا گورونامزد کیا۔ انگد جی کی وفات کے بعد 1552 میں امرداس سکھوں کے تیسرے گرو بنے۔ انکے بعد رام داس کو اکبر کے زمانے مین چوتھا گرو بنایا گیا۔ جس کو اکبر نے امرت کے سر یعنی تالاب والی جگہ جاگیر میں دی جہاں اس تالاب میں رام داس نے ہر میندر کی تعمیر شروع کی جو اسکے بیٹے اور سکھوں کے پانچویں گرو ارجن نے مکمل کی جسے گولڈن ٹمپل کہتے ہیں۔ اسی طرح ارجن گرو نے گرنتھ صاحب کو مکمل کر کے گورونانک کے ساٹھ سال بعد سکھ مذہب کو ایک بنیاد فراہم کی۔ 1606 میں جب جہانگیر کے بیٹے خسرو نے باپ کے خلاف بغاوت کی تو گرو ارجن نے اسکی مدد کی۔ جسے جہانگیر نے گرفتار کر کے

قتل کر دیا۔ جو سکھوں اور مغلوں کے درمیان دشمنی کی اصل وجہ ہے۔ 1606ء میں گرو
ارجن کے بعد ان کا بیٹا ہرگووند سکھوں کا چھٹا گرو بنا جس نے گووند پور کے نام پر ایک قلعہ
بنایا۔ اور عادی مجرموں کو پناہ دے کر ارد گرد کے علاقے میں لوٹ مار شروع کی۔ اور شاہ
جہان کے دور میں کھلم کھلا بغاوت کا اعلان کیا 1645ء میں ہرگووند کے فوت ہونے کے بعد
اسکے پوتے ہررائے کو ساتواں گرو بنایا گیا۔ جو داراشکوہ کا دوست تھا۔ 1658ء میں جب
داراشکوہ اورنگ زیب سے بچنے کیلئے مارا مارا پھر رہا تھا تو گرو ہررائے نے اسے پناہ دی
جس پر اورنگ زیب نے جب اس سے باز پرس کی تو اس نے اپنے بیٹے رام رائے کو دہلی
بھیجا جسے اورنگ زیب نے ضمانت کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا۔ 1661ء میں گورو ہر
رائے کے انتقال کے بعد اسکے چھ سالہ بیٹے ہرکشن کو آٹھواں گرو بنایا گیا۔ جسے رام رائے
نے اورنگ زیب کے دربار میں چیلنج کر دیا جس پر فیصلہ ہرگووند کے بیٹے تیغ بہادر کے حق
میں ہوا۔ جو سکھوں کا نواں گرو تھا۔ تیغ بہادر نے جب لوٹ مار شروع کی تو اسے شاہی
فوجوں نے گرفتار کر لیا جسے اورنگ زیب نے سزائے موت دی۔ 1675ء میں سکھوں کا
دسواں اور آخری گرو گووند رائے گدی نشین ہوا۔ جس نے سکھوں کو ہندوؤں اور مسلمانوں
سے ایک الگ قوم قرار دیا۔ الگ شناخت پیدا کرنے کے لئے گوندرائے نے سکھوں کیلئے
لازم قرار دیا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ لفظ سنگھ ضرور استعمال کریں۔ جس طرح مسلمان لفظ
شریف استعمال کرتے ہیں مثلاً مکہ شریف۔ مدینہ شریف۔ قرآن شریف۔ اور اجمیر شریف
یا ہندو لفظ جی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ماتا جی۔ پتا جی۔ رام جی۔ سیتا جی۔ وغیرہ وغیرہ۔
اس طرح سکھوں کیلئے لازم قرار دیا کہ وہ اپنے مقدس مقامات اور کتاب کیلئے لفظ

صاحب استعمال کریں اس طرح سکھوں نے مذہب کے حوالے سے دربار صاحب۔ ننکانہ
صاحب۔ پنجہ صاحب اور گرنتھ صاحب کہنا شروع کیا جو یہ لفظ آج بھی ہمارے ہاں عزت
دینے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح پاہل کی رسم کے ساتھ گوندرائے نے ہر سکھ کیلئے
پانچ ککے لازم قرار دیئے یعنی کاچھا۔ کڑا۔ کرپان۔ کنگھا۔ کیس۔ اس طرح سکھ کبھی حجامت
نہیں کراتے۔ ان تمام ضابطوں کا اطلاق سب سے پہلے سکھوں کے اس دسویں گرو نے
اپنا نام گووند رائے سے گووند سنگھ رکھ کر کیا۔ ہاتھوں میں کڑا انہی سکھوں کی پہچان ہے۔ جس
سال اورنگ زیب فوت ہوا۔ اسی سال یعنی 1707ء میں سکھوں کا یہ دسواں گرو گووند سنگھ
بھی قتل ہو گیا۔ چونکہ گووند سنگھ نے کوئی چیلہ بطور گورو نامزد نہیں کیا تھا۔ اس لئے گووند سنگھ
کے ایک چیلے بندہ بیراگی نے گرو بننے کیلئے مغل حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور
1710ء میں سرہند کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ جسے 1714ء میں فرخ سیر نے
گورداسپور کے قلعے سے سات آٹھ سو ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے دہلی لے جا کر قتل کر
دیا۔ اسکے بعد سکھوں نے گوریلا جنگ شروع کی۔ اور پنجاب میں مسلمانوں کا جینا حرام کر
دیا۔ چونکہ دسویں گرو نے سکھوں کو ایک مذہبی شناخت اور پہچان دی تھی اس لئے وہ
مسلمانوں کے خلاف جنگ کو ایک مذہبی جنگ سمجھ کر لڑتے تھے۔ ہندوستان میں پنجاب
مسلمانوں کی بقاء کیلئے ایک اہم ترین صوبہ تھا۔ اس لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے والئی
قندھار احمد شاہ ابدالی کو مسلمانوں کی مدد کے لئے پیغام بھیجا جس پر سکھوں نے 1748ء میں
امرتسر کے مقام پر ایک میٹنگ بلائی اور آپس میں ایک معاہدہ کیا جسے گرومتہ کہتے ہیں
گرومتہ معاہدے کے تحت سکھوں نے پنجاب کو اپنی بارہ برادریوں میں تقسیم کر کے بارہ

حکومتیں قائم کیں جنہیں سکھوں کی مسلیں کہا جاتا ہے ہر مسل کا حکمران مسلدار کہلاتا تھا۔
جنہیں مجموعی طور پر سکھا شاہی کہا جاتا ہے۔ سکھا شاہی دور تقریباً پچاس سال تک رہا۔
پہلے پچیس سالوں میں سکھوں نے صرف لوٹ مار اور مسجدوں مقبروں کی بے حرمتی کر کے
مسلمانوں کو نقل مکانی کرنے پر مجبور کیا۔ مگر احمد شاہ ابدالی نے پے در پے حملے کر کے
سکھوں کو بھی انکی حد تک رکھا۔ جب 1773 میں احمد شاہ ابدالی فوت ہو گیا۔ تو ان
مسلداروں نے اپنی اپنی مسلوں میں پنچائتی نظام قائم کیا۔ سرکاری اہلکار آیا گیا ٹیکس وصول
کرتے۔ حقہ پانی بند ایک ایسی سزا تھی جس پر تمام برادری عمل کرتی۔ اور وہ شخص خاندان۔
برادری اور وراثت سے محروم ہو جانے کے بعد اپنی خاندانی شناخت سے محروم ہو جاتا۔ اس
طرح سکھوں نے تحریک جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدین اور اُن کے لواحقین کا حقہ پانی
بند کر کے کئی اعوانوں کی شناخت ختم کی اور مٹھی چاپی کرنے والوں کو سردار بنا کر مسلمانوں
سے انتقام لیا۔ جو یہ سلسلہ انگریزوں نے جوں کا توں قائم رکھا۔ جس سے تحریک جہاد ہمیشہ
کیلئے ختم ہو گئی۔ پنجاب میں گرومتہ معاہدے کے تحت جو مسلیں سکھا شاہی دور میں حکمران
بنی تھیں انکے نام یہ ہیں۔ بھنگی مسل ۔ رام گڑھیا مسل۔ کنہیا مسل۔ نکئی مسل ۔ آلووالیہ
مسل ۔ ڈلے والیہ مسل ۔ نشان والیہ مسل ۔ کروڑسنگھیہ مسل ۔ شہیدیہ مسل ۔ فیض اللہ پوریا
مسل ۔ پھلکیاں مسل اور سکرچکیہ مسل ۔ تلہ گنگ کا علاقہ سکرچکیہ مسل کا حصہ تھا۔ جس کا
مسلدار سردار چڑھت سنگھ تھا۔ جس کی حکومت جہلم اور گجرات تک پھیلی ہوئی تھی ۔ وہ
اعوانوں کی طاقت اور اتحاد سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے جب بھی مسلمانوں کا کوئی لشکر
یہاں سے گزر کر برصغیر میں جاتا تھا تو چڑھت سنگھ کوئی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ اور نہ ہی وہ سکھا

شاہی دور میں کبھی یہاں آیا۔ اس طرح یہ علاقہ سکھا شاہی دور میں مونڈ اعوانوں کا مضبوط
قلعہ تھا۔ جن کی مدد سے احمد شاہ ابدالی نے سکھوں کے خلاف آٹھ حملے کئے اور برصغیر میں
مسلمانوں کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے ایک تاریخی کردار ادا کیا۔

احمد شاہ ابدالی اور مونڈ اعوان۔

سکیسر پہاڑ کے شمال مغرب میں کالا باغ کے مقام پر جا کر کوہستان نمک کا پہاڑی سلسلہ ختم
ہو جاتا ہے جو اس پہاڑی سلسلے کا آخری حصہ ہے جسے ہندی زبان میں مونڈ کہتے ہیں۔
جس کا مطلب ہے سراپا سر۔ محمود غزنوی کے دور میں جب قطب شاہی اعوانوں نے
کوہستان نمک کے علاقے میں مستقل رہائش اختیار کی تو اعوانوں کا جو قبیلہ اس علاقے میں
آ کر آباد ہوا۔ انہیں مونڈ اعوان کہتے ہیں۔ مونڈ کے اس پہاڑی سلسلے میں ایک چھوٹا سا درہ
ہے جسے ڈھک کہتے ہیں۔ ڈھک کے مشرق میں لاوہ اور مغرب میں موسیٰ خیل ہے۔ جب
بھی برصغیر میں جانے والا کوئی قافلہ یا لشکر موسیٰ خیل کے میدان میں آ کر ٹھہرتا تو وہ مونڈ
اعوانوں کی مرضی کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر مونڈ اعوان اس قافلے یا لشکر کو اجازت
دیتے تو وہ یہ درہ استعمال کر کے برصغیر میں داخل ہو جاتے بصورت دیگر کوئی نہ کوئی معرکہ
برپا ہو جاتا۔ جسکی وجہ سے آج بھی موسیٰ خیل کے اس میدان میں حد نظر تک ایک بہت بڑا
قبرستان نظر آتا ہے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب اٹھارویں صدی میں سکھوں۔
مرہٹوں اور انگریزوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا تو شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی نے والئی قندھار احمد شاہ ابدالی کو مسلمانوں کی مدد کے لئے پیغام بھیجا۔ ادھر سکھوں
نے اسی سال یعنی 1748ء میں امرتسر میں گرومتہ معاہدے کے تحت پنجاب کو بارہ
حصوں میں تقسیم کر کے سکھا شاہی قائم کی اور لاہور پر قبضہ کر کے مسجدوں اور مقبروں کی بے
حرمتی کرنا شروع کی۔ جس پر احمد شاہ ابدالی نے مونڈ اعوانوں سے معاہدہ کر کے انہیں
اس جہاد میں شامل کیا۔ جس نے ایک ماہ کے اندر اندر اسی سال یعنی 1748ء میں سکھوں

پر حملہ کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان پر احمد شاہ ابدالی کا یہ پہلا حملہ تھا۔ اسکے بعد احمد
شاہ ابدالی نے ہندوستان پر سات اور حملے کئے ان تمام حملوں میں مونڈ اعوانوں نے احمد شاہ
ابدالی کا بھرپور ساتھ دیا جو ہماری تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ 1707ء میں جب
اورنگ زیب کا انتقال ہوا تو دہلی میں وہی حالات پیدا ہو گئے جو ہلاکو خان سے پہلے بغداد
میں تھے۔ جن کی تمام تر ذمہ داری سید عبداللہ گورنر بہار اور سید حسن علی گورنر الہ آباد پر عائد
ہوتی ہے۔ جو تاریخ میں سید برادران اور بادشاہ گر مشہور ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کو دین
الٰہی کی حمایت میں اکبر بادشاہ نے خوب نوازا تھا۔ اس لئے شاہی دربار میں ان کا کافی اثر و
رسوخ تھا۔ اسی اثر و رسوخ کی وجہ سے ان بھائیوں نے اورنگ زیب کے بعد بہادر
شاہ۔ جہاندار شاہ اور فرخ سیر کے بعد 1719 میں محمد شاہ رنگیلا کو تخت نشین کیا۔ اور اپنے
عزیز و اقارب کو امور سلطنت میں شامل کیا۔ جن میں سید واجد علی شاہ المعروف پیا جی جیسے
وزیروں نے اسلامی علم و ادب کے نام پر فن موسیقی اور آرٹ وغیرہ کو فروغ دیا جس سے
انتہائی قلیل عرصے میں پورے ہندوستان میں ہیجڑوں۔ گویوں۔ نٹوں۔ بھانڈوں۔ بازی
گروں اور قحبہ خانوں نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جس سے فائدہ اٹھا
کر 1738ء میں نادر شاہ دہلی پر قبضہ کرنے کیلئے پہلے لاہور آیا پھر گورنر ذکریا خان سے
تاوان لیکر دہلی کا محاصرہ کیا اور ایک معمولی سی جھڑپ کا بہانہ بنا کر نادر شاہ نے ڈیڑھ لاکھ
افراد کو قتل کیا۔ 30 کروڑ کا مال غنیمت۔ ایک ہزار ہاتھی۔ سات ہزار گھوڑے۔ دس
ہزار اونٹ۔ ایک سو خواجہ سرا۔ ایک سو تین معمار اور کاریگر ساتھ لیکر 6 مئی 1739 کو دہلی
سے واپس چلا گیا۔ (ماخوز از تاریخ پنجاب احسان الحق قریشی المعروف قدر

آفاقی)1748ء میں محمد شاہ رنگیلا فوت ہوا جسکے بعد اسکا بیٹا احمد شاہ تخت نشین ہوا۔ جس کا زنان خانہ ایک میل لمبا تھا۔ یہ تھے مغل حکمران جن کی وجہ سے انگریزوں مرہٹوں اور سکھوں نے مل کر ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود ختم کرنے کیلئے آپس میں مکمل تعاون کر رکھا تھا۔ انہی دنوں شیخوپورہ کا ایک پٹواری آدینہ بیگ سکھوں اور مرہٹوں کیلئے ایک اہم شخصیت بن کر سامنے آیا۔ سکھوں نے آدینہ بیگ کے مشوروں پر عمل کر کے لاہور پر قبضہ کیا مگر اسے گورنر بنانے سے انکار کیا جس پر آدینہ بیگ نے مرہٹہ سردار رگھوناتھ کے ساتھ مل کر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اور وہ لاہور کا گورنر بن گیا۔ بعد میں آدینہ بیگ نے ملتان اور سندھ پر قبضہ کر کے مرہٹوں کو وہاں سے نکال دیا۔ 1758ء میں سکھوں اور مرہٹوں نے مل کر آدینہ بیگ کو قتل کر دیا اور کھل کر مسلمانوں کی مسجدوں اور مقبروں کی بے حرمتی کرنے لگے۔ احمد شاہ ابدالی کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو اس نے تیسری بار حملہ کیا اور لاہور پر قبضہ کر لیا۔ سکھ زیر زمین چلے گئے۔ اور مرہٹوں نے دہلی کے قریب اکٹھا ہونا شروع کر دیا۔ روہیلہ سردار حافظ رحمت خان بھی اپنی دس ہزار فوج لیکر احمد شاہ ابدالی سے آملا۔ دہلی کے قریب دونوں نے مل کر مرہٹوں کی 80 ہزار فوج کو شکست دی۔ احمد شاہ ابدالی کی واپسی کے بعد مرہٹوں نے 1760ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا۔ آخر کار احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر پانچواں حملہ کیا۔ اور یکم نومبر 1760ء کو پانی پت کے میدان میں جا اترا۔ 14 جنوری 1761ء کو پانی پت کی تاریخی جنگ لڑی گئی۔ جس میں مرہٹوں کے دو لاکھ سپاہی قتل ہوئے۔ بائیس ہزار گرفتار ہوئے۔ ہزاروں گھوڑے اور تین سو توپیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ احمد شاہ ابدالی نے مغل بادشاہ علی بن گوہر ثانی کو بنگال سے بلا کر تخت نشین کیا۔ اور

واپس قندھار چلا گیا۔ ایک روایت کے مطابق گرفتار ہونے والے قیدیوں میں کچھ سکھ قیدی بھی تھے جو پنجابی زبان بولتے تھے۔ ان قیدیوں کو مونڈ اعوان ساتھ لائے۔ ڈھیر مونڈ کے مقام پر ان قیدیوں نے سازش کر کے عنایت اور اسکے بھائیوں پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے ان دس پندرہ قیدیوں کو ہلاک کر کے ایک اجتمائی قبر بنائی جسے ڈھیر مونڈ کہتے ہیں۔ 1764ء میں احمد شاہ ابدالی پھر لاہور آیا اور اس نے سکھوں کا ہر جگہ تعاقب کیا۔ مگر وہ گوریلا جنگ میں اب کافی ماہر ہو چکے تھے اس لئے وہ احمد شاہ ابدالی کے آنے پر غائب ہو گئے۔ آخری بار 1767ء میں احمد شاہ ابدالی نے لاہور پہنچ کر سرہند پر حملہ کر کے سکھوں کو بے نقاب ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور عبیداللہ خان کو گورنر مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ اور 1773ء میں چند روز بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔ گو احمد شاہ ابدالی اپنا مشن مکمل نہ کر سکا مگر اس نے سکھوں اور مرہٹوں کا غرور توڑ کر ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود کو مٹ جانے سے بچایا۔ جس کا تمام تر کریڈٹ مونڈ اعوانوں کو جاتا ہے۔ جنہوں نے احمد شاہ ابدالی کے ان حملوں میں نہ صرف سپلائی لائن کی حفاظت کی بلکہ مالی اور جانی امداد بھی دی اور برصغیر میں آنے والے قافلوں کے ذریعے احمد شاہ ابدالی کو لمحہ بہ لمحہ حالات سے باخبر رکھا۔ جنگی وجہ سے احمد شاہ ابدالی اپنے تمام حملوں میں کامیاب رہا۔ احمد شاہ ابدالی کے فوت ہونے کے بعد مسلداروں میں جب آپس میں جنگ شروع ہوئی تو یہ سانپ بن کر ایکدوسرے کو کھانے لگے۔ ان میں سب سے زیادہ طاقتور سکر چکیہ مسل کا مسلدار چڑھت سنگھ تھا۔ جسکے مرنے کے بعد اسکا بیٹا مہان سنگھ مسلدار بنا۔ 1782ء میں مہان سنگھ کے مرنے کے بعد اسکا بیٹا رنجیت سنگھ مسلدار بنا۔ جس نے 1799ء میں لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد گرومتہ

معاہدہ توڑ دیا۔ اور ایک ایک کر کے تمام مسلوں کو ہڑپ کر کے مہاراجہ بن گیا۔

رنجیت سنگھ اور شہدائے بالاکوٹ

1799ء میں رنجیت سنگھ نے گرومتہ معاہدہ توڑ کر امرتسر میں خالصہ حکومت کا اعلان کیا اور تمام مسلداروں کو جاگیریں دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ چونکہ باپ دادا کے ظلم وستم کی وجہ سے رنجیت سنگھ کو ہمیشہ مسلمانوں سے خطرہ رہتا تھا اس لئے اس نے لاہور میں ایک فقیر فیملی ڈھونڈ نکالی جو بظاہر پیر پرست تھے۔ مگر عقیدتاً وہ قرامطہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ جن میں فقیر عزیز الدین۔ فقیر نور الدین۔ اور فقیر امام دین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس فقیر فیملی کے ذریعے رنجیت سنگھ نے لاہور اور ملتان کے تمام مزاروں کی تزئین و آرائش کیلئے مجاوروں اور سجادہ نشینوں کو رقوم دیکر اپنے ساتھ ملا لیا۔ باقی علاقوں کے بااثر جاگیرداروں کو مراعات دیں جن میں شاہ پور۔ ساہی وال سے خدا یار ٹوانہ سیالکوٹ اور لدھیانہ سے امام بخش اور قادر بخش خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح مفتی محمد شاہ بھی رنجیت سنگھ کا مشیر تھا۔ فوج کا تمام کنٹرول فرانس کے ان جرنیلوں کے پاس تھا جو نپولین بوناپارٹ کے تجربہ کار جرنیل تھے۔ ان حالات میں مسجدوں اور امام مسجدوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اذان اور ذبیحہ گائے پر پابندی تھی جسکی خلاف ورزی کرنے پر موت کی سزا دی جاتی تھی سرحد اور کشمیر میں اس سلسلے میں کئی مسلمانوں کو پھانسی دی گئی۔ مسجدوں کی بے حرمتی روز مرہ کا معمول تھا۔ مسجدوں اور مقبروں سے قیمتی پتھر نکال لئے گئے۔ مسجدوں کو بارود خانوں میں تبدیل کیا گیا۔ کئی ایک کو اصطبل بنایا گیا۔ جن میں لاہور کی شاہی مسجد کو چھاؤنی اور مسجد وزیر خان کو ناچ گھر میں تبدیل کیا گیا۔ مسلمانوں کی دل آزاری کیلئے سکھوں نے سنہری مسجد کی دیواروں پر گائے کے گوبر کا لیپ کیا۔ اسطرح غداروں کو ساتھ ملا کر رنجیت سنگھ نے

مسلمانوں کو ذلیل وخوار کرنے کیلئے سکھوں کو ہر قسم کی آزادی دی۔ ان حالات کو دیکھ کر سید احمد شاہ بریلوی نے سب سے پہلے 1821ء میں سات سو آدمیوں کے ساتھ بحری جہاز کے ذریعے حج پر جانے کا اعلان کیا تا کہ مسلمانوں کے دل سے انگریزوں کا خوف نکل جائے جنگی وجہ سے وہ خشکی کے راستے سفر کیا کرتے تھے۔ 1824ء میں حج سے واپس آ کر سید احمد شاہ بریلوی نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ اور سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ اور اکوڑہ خٹک کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ فقیر فیملی کے ایما پر پیروں فقیروں نے مسلمانوں کو اپنی قسمت پر شاکر رہنے کی تلقین کی اور مسجدوں کے بارے ہر پیر۔ فقیر نے یہی کہا کہ یہ خدا کے گھر ہیں کعبے کی طرح خدا اُن کی خود حفاظت کرے گا اس لئے سید احمد شاہ بریلوی کا اعلان جہاد شریعت کے خلاف ہے اسکی تحریک جہاد ایک وہابی تحریک ہے۔
1826ء میں رنجیت سنگھ نے بدھ سنگھ کی کمان میں دس ہزار فوج بھیج کر اکوڑہ خٹک پر حملہ کیا۔ سات سو سکھ مارے گئے اور مسلمان کامیاب ہوئے جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور 1827ء میں ہنڈ کے مقام پر بہت سارے علمائے کرام اور مجاہدین نے سید احمد شاہ بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کی جس سے ایک لاکھ کا لشکر تیار ہوا۔ جن میں یار محمد اور سلطان محمد درانی سردار بھی شامل تھے۔ اس لشکر کے سامنے سید احمد شاہ بریلوی نے زندگی کی آخری تقریر کی جس کا لب لباب یہ تھا کہ منبر رسول ﷺ تخت رسولؐ ہے اور وہی ہماری عقیدت کا مرکز ہے۔ علماء کو چاہیے کہ وہ سرکار۔ دربار اور مزار کو چھوڑ کر منبر رسولؐ پر آ کر بیٹھیں تا کہ مسلمان ایک خدا اور ایک رسول کے ساتھ ایک ہی عقیدے اور ایک ہی عقیدت کا اظہار کر سکیں۔ اس اجتماع کی اطلاع ملتے ہی رنجیت سنگھ نے فقیر فیملی کی خدمات

حاصل کر کے یار محمد اور سلطان محمد کو خفیہ طور پر اپنے ساتھ ملا لیا۔ جنھوں نے سیدو کے مقام پر لڑائی سے ایک روز پہلے سید احمد شاہ بریلوی کو زہر دی مگر وہ بچ نکلے۔ دوسرے دن لڑائی میں یہ دونوں درانی سردار بھاگ نکلے اور سکھوں کا پلڑا بھاری رہا۔ اس کے بعد سید صاحب نے مجاہدین کو اکٹھا کیا تو سید صاحب کو وہابی کہہ کر نہ صرف مخالفت کی گئی بلکہ کئی مجاہدین کو بھی شہید کر دیا گیا۔ آخر کار سید صاحب وادی کاغان میں بالاکوٹ کے مقام پر تھے کہ رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ نے حملہ کر کے 6 مئی 1831ء کو سید صاحب اور شاہ اسماعیل دہلوی کو شہید کر دیا۔ اس تحریک کے اغراض و مقاصد میں اسلامی حکومت کا قیام۔ جہاد فی سبیل اللہ۔ توحید خالص کی اشاعت۔ بدعات کا استیصال اور سنت رسول پر عمل شامل تھے۔ (ماخوذ از تاریخ پاکستان۔ شیخ محمد رفیق وغیرہ۔) اس تحریک نے آٹھ دس سال تک دوآبہ سندھ ساگر کو اپنی لپیٹ میں لئے رکھا۔ اس تحریک کا ایک نمائندہ سید مراد علی شاہ تلہ گنگ میں آ کر یہاں سے مجاہدین کو لیکر جاتا رہا۔ ان دنوں یہ علاقہ سردار دھنا سنگھ کی جاگیر تھا۔ مورت اور ڈھوک جھمال کے درمیان سکھوں نے ایک فوجی چھاؤنی قائم کر رکھی تھی جس کا کمانڈر چتر سنگھ تھا۔ جہاں آج بھی اُس دور کا چھاؤنی کنواں موجود ہے تلہ گنگ میں اس تحریک کا مرکز سید فتح شاہ المعروف تیغ بہادر کا ڈیرہ تھا۔ جن کا مزار اب بھی چار دیواری کی صورت میں موجود ہے۔ سید مراد علی شاہ کی رہائش راقم الحروف کے پردادا میاں محمد اعظم میاں اعوان کے ہاں تھی جو شہر سے باہر ڈھوک کالیہ کے قریب ڈھوک میال پر رہائش پذیر تھے۔ ایک روز سکھوں نے گھات لگا کر سید مراد علی شاہ اور انکے دو ساتھیوں پر حملہ کر دیا جس کے پہلے مرحلے میں سید مراد علی شاہ ڈھوک میال کے قریب شہید ہوئے اتی

دوموری کے پاس شہید ہوئے۔ سکھوں کے جانے کے بعد محمد اعظم نے ڈھوک میاں پر
کھود کر مراد علی شاہ کو دفن کر کے فرش ہموار کر دیا۔ اور بعد میں اسی مدفن پر قبر کا نشان بنا
گیا۔ جو آج بھی شہید کا مزار کہلاتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ میرے پردادا محمد اعظم
کے والد محترم میاں بختاور میاں سید فتح شاہ تیغ بہادر کے معتمد خاص تھے۔ جن کو سید فتح شاہ
تیغ بہادر نے یہاں کی صورت حال بتانے کیلئے سید احمد شاہ بریلوی کے پاس بھیجا جہاں وہ
شہید ہو گئے۔ جن کی غیر موجودگی میں سکھوں نے سید مراد علی شاہ کو شہید کیا۔ جب سکھوں کو
پتا چلا کہ لاش بھی غائب ہے اور میاں بختاور بھی غائب ہے تو انہوں نے میاں بختاور کے
خاندان کا حقہ پانی بند کر دیا۔ برادری کا میل جول اور لین دین ختم ہو جانے سے سید فتح شاہ
تیغ بہادر کی ہدایت پر میرے پردادا سکھر چلے گئے جہاں سید نور زمان شاہ اور سید محمد شاہ کے
بزرگوں نے ہمارے خاندان کو اپنے پاس رکھا اور وہ اس وقت واپس تلہ گنگ آئے جب
انگریزوں نے سکھوں کو شکست دیکر پنجاب پر قبضہ کیا۔ اور اُن مراثیوں سے زمینوں کا قبضہ
لے کر کاشت کاری شروع کی۔ جن کو سکھوں نے اشرافیہ قرار دے رکھا تھا۔ 29
جون 1839ء کو رنجیت سنگھ کی موت کے بعد اسے اسکی وصیت کے مطابق ہندوؤں کی
طرح نہ صرف چتا میں جلایا گیا بلکہ اسکے ساتھ اسکی دس رانیوں اور داشتاؤں کو بھی ساتھ جلا
کر ستی کیا گیا۔ جن میں ملتان کی گل بیگم۔ لاہور کی موراں نامی دو رقاصائیں بھی شامل
تھیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ رنجیت سنگھ ایک انتہائی عیار۔ مکار اور عیاش حکمران تھا جو
ناچ گانے کا بے حد شوقین تھا۔ اُس نے اپنے دورِ حکومت میں صرف مراثیوں کو جاگیریں
عطا کیں جو اُونچی آواز میں شجرہ اور گانا سنانے کے علاوہ اپنے اپنے محلے میں اور گاؤں میں

ہوکا دیا کرتے تھے۔ اس لئے جو مراثی جاگیردار بن جاتا سکھ اُسے ہوکا ملک کہہ کر پکارتے
تھے۔ رنجیت سنگھ کے بعد اسکا بیٹا کھڑک سنگھ تخت نشین ہوا جس نے سب سے پہلے نور
جہان کی قبر سے اسکا سونے کا تابوت اور پانچ من وزنی سونے کی زنجیر عدل نکال کر قبر کو مٹی
سے بھر دیا۔ (ماخوذ از تاریخ پنجاب احسان الحق قریشی المعروف قدر آفاقی)۔ چار ماہ بعد
کھڑک سنگھ کو معزول کر کے اسکے بیٹے نونہال سنگھ کو تخت پر بٹھایا گیا۔ ایک سال بعد نومبر
1840ء میں نونہال سنگھ نے کسی سازش کا علم ہونے پر اپنے والد کھڑک سنگھ کو زہر دی اور
جب وہ زہر دے کر اس کا کریا کرم کر کے واپس آ رہا تھا تو شاہی قلعے میں اس پر پتھر گرا اور
وہ مر گیا۔ اسکے بعد فاتح بالاکوٹ شیر سنگھ تخت نشین ہوا۔ جس کو ایک سکھ اجیت سنگھ نے
1843ء میں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسکے بعد رنجیت سنگھ کا بیٹا دلیپ سنگھ تخت نشین ہوا
جس نے مائی جنداں کو پنجاب کا ریجنٹ اور فتح خان ٹوانہ کو وزیر اعظم بنایا۔ سکھوں کی نا
اتفاقی سے جب سکھ فوج نے لوٹ مار شروع کی تو انگریزوں نے ستلج عبور کر کے فیروز پور پر
قبضہ کر لیا۔ 20 فروری 1844ء کو عہد نامہ لاہور وجود میں آیا۔ جس میں سکھوں نے 75
لاکھ روپے میں کشمیر گلاب سنگھ کو بیچ دیا۔ اس وقت کشمیر کی کل آبادی بھی 75 لاکھ تھی اور
انگریزوں کو ڈیڑھ کروڑ تاوان ادا کیا۔ اس معاہدے کے بعد سکھ انگریزوں کے مخالف ہو
گئے۔ جب ملتان میں سکھوں نے دو انگریز افسروں کو قتل کیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر
جنرل لارڈ ڈلہوزی کے حکم پر انگریزوں نے ملتان اور راولپنڈی میں سکھ فوجوں کو شکست
دے کر 1849ء میں پورے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔

انگریزوں کی تجارت اور حکومت

کروسیڈ کے نام سے کون واقف نہیں۔ یہ عیسائی مذہب کا ایک نظریہ ہے۔ جسے پہلی بار
عباس کے دور میں پیٹر نامی ایک راہب نے بیت المقدس پر عیسائی حکومت قائم کرنے کیلئے
پیش کیا تھا۔ اس پیٹر پادری نے پوپ اربن دوم سے یہ فتویٰ حاصل کیا کہ گناہوں کی
معافی اور جنت میں جانے کیلئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔
فتویٰ لیکر پیٹر نے یورپ کے تمام عیسائی حکمرانوں سے فرداً فرداً ملاقات کی۔ اور 1044
میں صلیبی جنگوں کا آغاز کیا۔ 1099ء میں عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے
لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ عمادالدین زنگی اور نورالدین زنگی نے بیت
المقدس کے اردگرد کے تمام علاقوں پر قبضہ کر کے بیت المقدس کو فتح کرنے کی راہ ہموار
۔ جسے آخر کار صلاح الدین ایوبی نے 1187ء میں بیت المقدس فتح کر کے اُس تمام
عیسائی فوج کو شکست دی جس کا سپہ سالار برطانیہ کا بادشاہ رچرڈ تھا۔ رچرڈ نے اس شکست
پر پادریوں کو موردِ الزام ٹھہرایا جنہوں نے اپنی اپنی صفائی میں اپنے اپنے فرقے کو عیسا…
اور دوسرے فرقوں کو کافر قرار دے کر مذہبی دہشت گردی کی بنیاد رکھی جو آج بھی آئرلینڈ
میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ رومن کیتھولک۔ پروٹسٹنٹ۔ لوتھرن۔ پریسبیٹرین اور دیگر
…قوں کے ان دہشت گردوں نے 1258ء میں سقوطِ بغداد کے بعد وہاں کے علمی خزانوں
کے ساتھ ساتھ مسلمان دانشوروں۔ پیشہ وروں اور کاریگروں کو بھی غلام بنا کر یورپ پہنچایا
جن میں سرِ فہرست جرمنی ہے۔ بعد میں یہودیوں نے انہی مسلمانوں کی اسی ریسرچ…
تحقیق کو آگے بڑھایا۔ ان دہشت گروں نے 1292ء تک کروسیڈ کو بھی جاری رکھا

البتہ کوئی بھی عیسائی حکمران بیت المقدس کو فتح نہ کر سکا۔ 200 سال تک جاری رہنے والی
ان صلیبی جنگوں نے عیسائیوں کے ذہن میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی ایک ایسی دیوار
کھڑی کی کہ آج بھی مغرب کے یہ عیسائی سلمان رشدی جیسے دانشوروں اور اسرائیل جیسے
دہشت گردوں کی پشت پناہی کر کے مسلمانوں کو روحانی۔ جسمانی اور مالی نقصان پہنچانا
ایک مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ایک ہزار سال پہلے کروسیڈ کی آڑ میں انہی دہشت گردوں
نے غلاموں کی تجارت شروع کی۔ جن کی تلاش میں نئے نئے بحری راستے اور نئے نئے
ملک دریافت ہوئے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں جب کولمبس نے امریکہ دریافت کیا
تو افریقہ سے حبشی غلاموں کی تجارت شروع ہوئی۔ ان دنوں برطانیہ کا جزیرہ بحری قزاقوں
کی جنت تھی۔ انگریزوں نے ہسپانوی آبادکاروں سے اس بردہ فروش تجارت میں سونے
چاندی کے اتنے ذخائر اکٹھے کر لئے کہ بارٹر ٹریڈ میں وہ صرف سونا چاندی استعمال کرتے
تھے کیونکہ ان کے اپنے ہاں نہ تو کوئی خام مال تھا اور نہ ہی کوئی انڈسٹری۔ اس بارٹر ٹریڈ میں
انگریز آبادکاروں نے حبشی غلاموں کے ساتھ ساتھ مسلمان کاریگروں اور دانشوروں کو بھی
غلام بنا کر امریکہ میں آباد کرنا شروع کیا۔ جن کی مدد سے امریکہ کے اصل باشندوں کو بھی
غلام بنایا گیا جنہیں ریڈ انڈین کہتے ہیں۔ امریکہ کی یہی پالیسی آج تک جاری ہے اور وہ
ہمیشہ دُنیا کے ہر ملک سے بہترین دانشوروں۔ پیشہ وروں۔ سائنسدانوں اور کاریگروں کی
تلاش میں رہتا ہے۔ 1600 میں برطانیہ کے ان بحری قزاقوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی بنا
کر ہندوستان سے مال لے جا کر یورپ میں فروخت کرنا شروع کیا جس میں سوتی۔ ریشمی
کپڑا۔ اونی اور چمڑے کی مصنوعات۔ سیسہ۔ تانبہ اور مصالحہ جات خاص طور پر قابل ذکر

ہیں ۔اس تجارت کیلئے انگریزوں نے جہانگیر کے دور میں با قاعدہ معاہدہ کر کے کلکتہ ۔مدراس اور بمبئی کی بندرگاہوں پر اپنی کوٹھیاں تعمیر کیں اور بھاری تنخواہوں پر گارڈ بھرتی کئے ۔انگریزوں کے پاس اتنی دولت دیکھ کر مقامی راجوں ۔مہاراجوں اور نوابوں نے انگریزوں کو اپنا دوست اور مشیر بنانا شروع کیا۔انگریزوں نے بھی ہندوستان کی سیاسی، سماجی معاشی اور مذہبی زندگی جاننے کیلئے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کھولا۔کچھ عرصے کے بعد جب انگریزوں کا سیاسی اثر ورسوخ بڑھ گیا تو اُنہوں نے لوگوں سے زبردستی کم قیمت پر مال لینے کیلئے اپنے گارڈز کو باقاعدہ آرمی کی شکل دی جس پر بنگال میں لارڈ کلائیو اور سراج الدولہ کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے لارڈ کلائیو نے سراج الدولہ کے وزیراعظم میر جعفر کے ساتھ مل کر 1757ء میں پلاسی کے میدان میں سراج الدولہ کو شکست دی اور میر جعفر کو حکمران بنایا جس نے بنگال کے کئی ہنر مند اور کاریگر زبردستی انگلینڈ بھیجے جہاں اُنہوں نے مانچسٹر کے مقام پر پہلی ٹیکسٹائل مل لگا کر یورپ میں صنعتی انقلاب کی بنیاد رکھی۔ اپنی انڈسٹری کو چلانے کیلئے انگریزوں نے ہندوستان کا خام مال حاصل کرنے کیلئے اپنی پا لیسی کو تجارت سے حکومت میں تبدیل کیا۔جو یہ بات نہ تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر میں تھی اور نہ ہی حکومت کے ساتھ کئے گئے معاہدے میں تھی اس لئے جنگ پلاسی کے بعد انگریزوں نے وائن ۔دومن اور ویلتھ کے ساتھ ساتھ طاقت کا استعمال بھی شروع کر دیا۔ 1761ء میں حیدر علی میسور کا حکمران بن گیا۔جو انگریزوں کے سخت خلاف تھا۔1765ء میں انگریزوں نے مغل بادشاہ علی گوہر شاہ عالم ثانی سے نظام دکن کے ذریعے بنگال۔بہار اور اڑیسہ کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے کر میسور پر توجہ دینا شروع کی۔یہ بات قابل ذکر

ہے کہ جب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجاز سے تعلیم مکمل کر کے 1734ء میں واپس آئے تو اس وقت محمد شاہ رنگیلا کا دور اپنے عروج پر تھا جس پر نادر شاہ کے حملے نے مسلمانوں کی حالت اور زیادہ خراب کر دی تھی۔ان حالات میں آپ کی تحریک جہاد کو آپکی ہدایات پر عمل کر کے شمال میں احمد شاہ ابدالی اور جنوب میں حیدر علی نے آگے بڑھایا۔جنہوں نے سکھوں اور انگریزوں کے لئے انتہائی مشکل حالات پیدا کر دیئے۔ **1782ء** میں حیدر علی کا بیٹا ٹیپو سلطان تخت نشین ہوا۔اسی طرح اسی سال رنجیت سنگھ بھی باپ کے مرنے کے بعد سرچکیہ مسل کا مسلدار بنا۔سمندر پر بالادستی کی وجہ سے انگریزوں نے ٹیپو سلطان کی ناکہ بندی کر کے اسے فرانس سے ملنے والی امداد سے محروم کر دیا تھا۔مگر رنجیت سنگھ نے انگریزوں کے ساتھ مل کر فرانسیسی جرنیلوں سے اسلحہ حاصل کیا۔انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے وزیراعظم میر صادق کو ساتھ ملایا۔جس نے دربار میں غلام علی لنگڑا۔محمد رضا خطیب اور سپاہ دار برہاندین (جس کی بہن رقیہ سلطان کی دوسری بیوی تھی) کو اپنے ساتھ ملایا۔ جنہوں نے میسور کی چوتھی لڑائی میں انگریزوں کو آرتھر ولزلے کی کمان میں کامیابی سے ہمکنار کیا اور یوں ان غداروں کی وجہ سے مورخہ 2 مئی 1799ء کو ٹیپو سلطان شہید ہو گئے اور انگریزوں نے میسور پر قبضہ کر لیا۔بعد میں اسی آرتھر ولزلے نے نپولین بونا پارٹ کو شکست دی جس پر اُسے ڈیوک آف ولنگٹن کا خطاب دیا گیا۔1849ء میں پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے پنجاب کے تمام لوگوں کو غیر مسلح کر دیا اور لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب کا نظم ونسق چلانے کیلئے سرہنری لارنس ۔سرجان لارنس اور سر چارلس مینوئل پر مشتمل ایک بورڈ بنایا۔اس بورڈ نے دو سال تک پنجاب کے تمام قبیلوں اور قوموں کی

تفصیل اکٹھی کی۔ پنجاب کے چار ڈویژن بنائے گئے۔ ہر ڈویژن چند اضلاع پر اور ہر ضلع کو تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس انتظامی سیٹ اپ کے تحت پہلی بار تلہ گنگ کے نام پر ایک نئی تحصیل بنائی گئی جو تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم کی سب تحصیل تھی۔ اس تحصیل میں پکھڑ کا تمام علاقہ شامل کیا گیا جس میں اس وقت پچاسی گاؤں تھے۔ چونکہ تلہ شرق اور تلہ غرب کی آبادی گنگ اعوانوں پر مشتمل تھی اس لئے اس جگہ کا نام تلہ گنگ رکھ کر اسے تحصیل ہیڈ کورٹر بنایا گیا۔ اسی دور میں پہلی دفعہ نمبرداری نظام رائج ہوا۔ نمبر دار اپنے اپنے گاؤں کا سربراہ اور امن امان کا ذمہ دار تھا۔ وہی مالیہ وصول کر کے خزانے میں جمع کراتا۔ سکھوں کے چھوڑے ہوئے نظام کی وجہ سے نمبر دار اپنی مرضی سے مالیہ وصول کرتا۔ اس طرح پنجاب میں بھی عام آدمی انگریزوں کے مخالف ہو گئے اور در پردہ وہ تمام لوگ جو انگریزوں کے مخالف تھے حرکت میں آ گئے۔ جنہوں نے کارتوسوں پر گائے اور سور کی چربی کا پروپیگنڈہ کر کے فوج کے ہندو مسلم سپاہیوں کو بغاوت پر اکسایا۔ اس طرح میرٹھ چھاؤنی میں 9 مئی 1857ء کو جنگ آزادی کا آغاز ہوا۔ اور بہادر شاہ ظفر کی شہنشاہی کا اعلان ہوا۔ پنجاب میں سکھوں نے اور سکھ دور کے ملت فروش مسلمانوں نے انگریزوں کی بھرپور مدد کی جس سے جنگ آزادی ختم ہو گئی۔ 6 ستمبر 1857ء کو بہادر شاہ ظفر اور اسکی بیوی زینت محل کو گرفتار کر کے رنگون میں جلا وطن کر دیا گیا۔ اور انگریزوں نے مدد کرنے والوں کو جاگیروں سے نوازا۔ گھوڑی پال مربعوں اور جاگیروں کے علاوہ موروثی حکمرانی اور مراعات کا آغاز ہوا اور مختلف قسم کے خطابات دے کر ان لوگوں کو ایک شناخت دی گئی تاکہ ہر سرکاری افسر اور ہر سرکاری دفتر ان کی ہر خواہش پوری کرے۔ عرف عام میں ان

لوگوں کو چیف کہا جاتا تھا جن کی اولاد کو آداب حکمرانی سکھانے کے لئے لاہور میں چیفس کالج قائم کیا گیا۔ 1859ء میں سرحد کو پنجاب سے الگ کر کے سر جان لارنس کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا گیا۔ 1862ء میں شاہی مسجد مسلمانوں کے حوالے کی گئی۔ کیونکہ سکھوں نے اسے چھاؤنی اور اصطبل بنا رکھا تھا۔ پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے اعوانوں کو مختلف اضلاع یعنی میانوالی۔ شاہ پور۔ جہلم میں تقسیم کر دیا۔ سکیسر پہاڑ پر واقع اعوان محل گرا دیا گیا۔ اور شملہ کی طرح سکیسر پہاڑ پر بھی ان اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کیلئے موسم گرما کا ضلعی ہیڈ کوارٹر قائم کیا گیا۔ وہاں بنگلے تعمیر کئے گئے۔ اس طرح اعوانوں کو الگ الگ کر کے انگریزوں نے ان پر اپنا تسلط قائم رکھا۔ انگریزوں نے اس اعوان کش پالیسی کے تحت اس علاقے کو جان بوجھ کر پسماندہ رکھا۔ اس لئے سرگودھا سے راولپنڈی اور میانوالی سے جہلم تک چالیس ہزار مربع میل کے اس علاقے میں کوئی ضلعی ہیڈ کوارٹر نہیں تھا۔ جو لوگوں کے مسائل حل کرنے کیلئے ضروری ہے۔ اس طرح یہاں ہر شخص چوکیداروں۔ نمبرداروں۔ ذیلداروں کے علاوہ ہندوؤں اور سکھوں کا محتاج بن کر رہا۔ اگر آپ گوردوارہ پنجہ صاحب حسن ابدال جائیں تو اسکے اندر پنجہ صاحب کے قریب سنگ مرمر کا فرش ہے۔ جس پر اردو زبان میں کندہ سنگ مرمر کی ٹائلیں ہیں جن پر عطیہ دینے والے سکھوں کے نام درج ہیں جن میں سب سے زیادہ نام تحصیل تلہ گنگ سے تعلق رکھنے والے سکھوں کے ہیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ تلہ گنگ میں رہنے والے سکھ کتنے خوشحال تھے۔ چونکہ خوشحالی حکومت کی سرپرستی اور اثر و رسوخ کے بغیر نہیں ملتی اس لئے تلہ گنگ کے سکھوں کا حکومت کے اداروں میں کافی اثر و رسوخ تھا۔ ویسے بھی یہ علاقہ انگریزوں کے آنے سے پہلے

سردار دھنا سنگھ کی جاگیر تھا۔ اس لئے جاگیر کے ساتھ سکھوں کا بہت سارا عملہ انگریزوں نے جوں کا توں قائم رکھا۔ اور مسلمان سکھوں کی غلامی سے نکل کر انگریزوں کی غلامی میں چلے گئے۔ انگریزوں کو سکھوں سے جو جاگیر دار ورثے میں ملے وہ لوگوں کے شجروں اور خاندانوں سے واقف تھے۔ اُن کی مدد سے انگریزوں نے ریکارڈ مال مرتب کیا۔ 1865ء میں تمام پنجاب کا سرسری بندوبست کر کے ہر گاؤں کی تاریخی بنائے دیہہ۔ ذاتی اور شاملاتی رقبہ جات اور رسم ورواج کے حوالے سے واجب الارض تیار کی گئی اور دیہاتوں میں جاگیرداری نظام کو قائم ودائم رکھنے کے لئے نمبرداری نظام رائج کیا گیا جو جاگیرداری نظام کی طرح موروثی نظام ہے اس طرح دیہاتوں میں ہر شخص روٹی کپڑے اور مکان کے لئے جاگیرداروں کا اور جان۔ مال اور عزت کے لئے نمبرداروں کا محتاج بن کر رہ گیا۔ جس کی زبان کبھی بھی جاگیردار یا نمبردار کی مخالفت کرنے کی جرات نہیں کر سکتی۔ اس زبان بندی نے دیہاتوں میں موروثی حکمرانی کی بنیاد رکھی جس نے آگے چل کر موروثی سیاست کو جنم دیا۔ تلہ گنگ کے محافظ خانے میں تلہ گنگ کی جو بنائے دیہہ 1865ء کے سرسری بندوبست میں تیار کر کے محفوظ کی گئی تھی اس میں ملک امرت کو اعوانوں کا مورث اعلیٰ ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ ملک امرت ایک سادھو تھا جس نے ایک تالاب پر ڈیرے ڈال رکھے تھے۔۔ جسے سر کہتے تھے۔ پھر وہی امرت کا سرا کبر نے سکھوں کے چوتھے گرو رام داس کو بطور جاگیر عطا کیا جو بعد میں امرتسر کے نام پر مشہور ہوا۔ اکبر کے دور میں یہی سادھو دین الٰہی کا مبلغ بن کر اس علاقے میں آیا جسے اکبر اور سکھوں کے جاگیرداروں نے اپنا جدِ امجد قرار دیا۔ جس کا اعوانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ 1900ء میں ایک قانون انتقال اراضی

(پنجاب) منظور ہوا۔ جس کی رو سے دکانداروں۔ ساہوکاروں اور پیشہ وروں کو زمین کی خریداری سے روک دیا گیا۔ جس پر ہندوؤں کو سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے متاجری کے تحت مسلمانوں سے زبردستی پیداوار وصول کرنے کیلئے قبضہ گروپ بنائے۔ تلہ گنگ میں قبضہ گروپ کا سرغنہ نرنجن داس تھا جسے سردار نرنجن شاہ کہتے تھے جس کی متروکہ جائیداد کو اب بھی سردار پورہ کہا جاتا ہے 1938ء میں نرنجن شاہ پیداوار وصول کرنے کے لئے ادلکہ گاؤں میں گیا جہاں اسے فتح خان اور اس کے والد حیدر خان نے قتل کر دیا اور اسکی لاش کے پاؤں اس کے خچر کی باگوں سے باندھ کر خچر کو تلہ گنگ کی طرف ہانک دیا۔ جب وہ خچر لاش کو گھسیٹ کر تلہ گنگ پہنچا تو تلہ گنگ میں کہرام مچ گیا۔ حیدر خان کو پھانسی کی سزا ہوئی جب کہ فتح خان بری ہو گیا۔ اس واقعے سے ہندوؤں پر دہشت چھا گئی اور اس کے بعد کوئی ہندو پیداوار لینے کے لئے کسی مسلمان کے کھلواڑے یا کھلیان پر نہیں گیا۔ انگریزوں نے قومیت کی بنیاد پر ضلعی گروپ بندی کی۔ اٹک۔ جہلم اور راولپنڈی کے اضلاع میں آکڑا۔ چوہان۔ چپ۔ گکھڑ۔ گجر۔ جنجوعہ۔ جاٹ۔ اعوان۔ کہوٹ۔ کھنڈویا۔ کھوکھر۔ قریشی۔ منہاس۔ ملیر۔ مغل۔ سیال۔ سوہن۔ ملہ۔ پٹوار۔ پھاپھڑا۔ ارائیں۔ جودھرا۔ جودھ قبیلوں کو کاشتکار قرار دیا گیا۔ اور ساہوکاروں کی جگہ امداد باہمی کی انجمنیں قرضے دینے لگیں۔ اس طرح کاشتکاروں کی جدی وراثت ہندوؤں کے پاس جانے سے رک گئی۔ اس قانون کے باوجود ہندوؤں نے پہلے ہی مسلمانوں کی بہت ساری اراضی حاصل کر رکھی تھی۔ جس پر مسلمان مزارع تھے اور پیداوار کا آدھا حصہ بٹائی میں اور آدھا حصہ قرضے میں چلا جاتا تھا۔ اس لئے اس قانون سے مسلمانوں کی معاشی حالت پر کوئی

خاص اثر نہ پڑا۔ بلکہ وہ تمام دستکار اور ہنرمند بھی غیر کاشتکار قرار پائے جو تخلیقی ذہن کی وجہ
سے مختلف پیشوں سے منسلک تھے۔ جن میں سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی تھی۔ اسلئے
مجموعی طور پر اس قانون نے مسلمانوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا۔ 1914ء میں
جنگ عظیم اول کا آغاز ہوا۔ ایک تولہ سونے کی قیمت کے برابر تلہ گنگ سے فوج میں سپاہی
بھرتی کئے گئے۔ جن کی پہلے سات روپے پھر پندرہ روپے ماہوار تنخواہ تھی۔ ایک طرف
ترکی اور جرمنی تھے اور دوسری طرف برطانیہ اور اسکے اتحادی۔ جنہوں نے لارنس آف
عریبیہ کے ذریعے سازشوں کا جال پھیلا کر خلافت عثمانیہ کو بکھیر کر رکھ دیا۔ پاپائے روم نے
اس جنگ کو کروسیڈ کی فتح قرار دیا۔ اس جنگ کے دوران برطانیہ کی رائل میڈیکل کور میں
ڈاکٹر ویزمین نامی ایک یہودی ڈاکٹر نے چار سال تک بغیر تنخواہ کے خدمات سرانجام
دیں۔ جب جنگ ختم ہوئی تو ڈاکٹر ویزمین کو بکنگھم پیلس میں جارج پنجم کے دربار میں پیش
کیا گیا اور اُس سے پوچھا گیا کہ اُس نے تنخواہ لینے سے کیوں انکار کیا اور وہ اپنی خدمات
کے بدلے کیا لینا چاہتا ہے تو ڈاکٹر ویزمین نے کہا کہ وہ اپنی قوم کیلئے مفتوحہ ٹرکش ایمپائر
میں سے زمین کا ایک ٹکڑا لینا چاہتا ہے۔ جہاں یہودیوں کی اپنی حکومت ہو۔ برطانیہ نے
ڈاکٹر ویزمین کے اس مطالبے کو منظور کر کے 1919ء میں اعلان کیا کہ وہ یہودیوں کو ایک
الگ ملک دیں گے اس اعلان کو بالفور ڈیکلریشن کہا جاتا ہے۔ اس ڈیکلریشن پر ہندوستان
میں تحریک خلافت شروع ہوئی۔ مولانا محمد علی جوہر جیسے لیڈروں کو انگریز حکومت نے پانچ
سال جیل میں رکھا۔ 1930ء میں گول میز کانفرنس میں مولانا محمد علی جوہر نے اپنی زندگی کی
آخری تقریر کی کہ میں یہاں سے آزادی لیکر جاؤں گا ورنہ غلام ملک میں دفن ہونے کیلئے

کبھی نہیں جاؤں گا۔ وہیں کانفرنس میں انہیں دل کا دورہ پڑا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔
اسکے بعد ان کی میت کو بیت المقدس کے صحن میں دفن کیا گیا۔ جہاں انکے مزار کو مجاہد ہندی
کا مزار کہتے ہیں۔ 1933ء میں ہٹلر برسراقتدار آیا تو اس نے پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کی
شکست کا بدلہ لینے کیلئے نہ صرف ٹینک اور ہوائی جہازوں کے ذریعے جنگ لڑنے کیلئے
تیاری شروع کی بلکہ یہودیوں کو مورد الزام ٹھہرایا اور انہیں گیس چیمبرز بنا کر ہلاک کرنا
شروع کر دیا۔ 1939ء میں پولینڈ پر حملہ کر کے ہٹلر نے دوسری جنگ عظیم کا آغاز کیا۔ چار
دنوں میں فرانس فتح ہو گیا۔ اور ہر روز لندن پر بمباری کر کے برطانیہ کی اینٹ سے اینٹ
بجا دی۔ جاپان نے پرل ہاربر پر حملہ کر کے ہٹلر کا ساتھ دینے کا عملی ثبوت دیا جس سے
امریکہ برطانیہ کی مدد کرنے لگا۔ اُنہی دنوں سُبھاس چندر بوس نے ہندوستان کی
آزادی کیلئے انڈین نیشنل آرمی کھڑی کی جسے جاپانیوں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ جب
انگریزوں کے بحری بیڑے کے سب سے بڑے جہاز پرنس آف ویلز کو جاپانیوں نے سنگا
پور کے سمندر میں غرق کیا تو انگریز برما تک تمام علاقہ چھوڑ کر بنگال تک آ گئے۔ ادھر یورپ
میں جب جرمنی نے فرانس پر قبضہ کرنے کے بعد لندن پر ہر روز بمباری کا سلسلہ شروع کیا
تو برطانیہ میں بھی ہر روز پارلیمنٹ کا اجلاس منعقد ہونا شروع ہو گیا۔ برطانیہ کے وزیراعظم
مسٹر چرچل ہر روز حملے والی جگہ کا معائنہ کرنے کے بعد پارلیمنٹ کے اجلاس میں جایا
کرتے تھے۔ ایک روز وہ کافی دیر کے بعد پہنچے تو پارلیمنٹ کے ممبروں نے وزیراعظم سے
پوچھا کہ آج آپ نے اتنی دیر کیوں کر دی؟ تو انہوں نے کہا کہ گزشتہ رات جس جگہ
بمباری ہوئی تھی وہ غریبوں کی بستی تھی اس لئے مجھے دیر ہو گئی۔ اس پر ایک ممبر نے کہا کہ کیا

وہاں سول ڈیفنس والے نہیں تھے؟ تو وزیراعظم نے کہا کہ وہ بھی وہاں موجود تھے۔ تو اس ممبر نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ آپ جنگ کے دنوں میں بھی الیکشن مہم چلا رہے ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ عوامی نمائندوں کے اس قیمتی وقت کو آپ نے ان معمولی لوگوں پر کیوں ضائع کیا۔ تو اس پر مسٹر چرچل نے یہ تاریخی جملے کہے کہ میرے نزدیک معاشرہ ایک زنجیر کی طرح ہے۔ جس میں ہر شخص ایک دوسرے کے ساتھ زنجیر کے کنڈے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ زنجیر کے ان کنڈوں میں آپ جیسے امیر لوگ مضبوط کنڈوں کی طرح ہیں اور جس بستی میں میں آج گیا تھا وہ غریب لوگ ہیں اور وہ اس زنجیر کے کمزور ترین کنڈے ہیں۔ آج اس پوری زنجیر پر جنگ کا دباؤ ہے۔ اس دباؤ سے اگر کوئی کنڈہ سب سے پہلے ٹوٹے گا تو وہ کمزور کنڈہ ٹوٹے گا۔ آج ہم اس لئے زندہ ہیں کہ معاشرے کی زنجیر ابھی تک نہیں ٹوٹی۔ جس دن یہ زنجیر ٹوٹ گئی اس دن ہم موت سے ہمکنار ہو جائیں گے۔ یہ تقریر کر کے جب مسٹر چرچل پارلیمنٹ سے باہر آئے تو ایک صحافی نے برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر چرچل سے پوچھا کہ اب جب جرمن ایئر فورس نے لندن کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے تو کیا آپ جنگ جیت جائیں گے تو مسٹر چرچل نے اس صحافی سے کہا کہ پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا برطانیہ میں عدالتیں اور جج انصاف کر رہے ہیں تو اس نے کہا کہ وہ تو انصاف کر رہے ہے مگر انصاف کا جنگ سے کیا تعلق ہے تو مسٹر چرچل نے کہا کہ جس ملک میں انصاف ہوتا ہے وہاں قوم حکومت کے ساتھ ہوتی ہے فوج اکیلے جنگ نہیں جیت سکتی اس لئے ہم جنگ جیت جائیں گے۔ 6 اگست 1945 کو امریکہ نے ہیروشیما اور ناگا ساکی پر ایٹم بم پھینک کر جاپان کو شکست دی۔ اُسی سال امریکہ۔ برطانیہ اور روس نے مل کر

جرمنی کو شکست دی اور برلن سمیت جرمنی کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ 6 سال جاری رہنے والی اس جنگ نے انتہائی مہلک اثرات مرتب کئے۔ ان اثرات کو ختم کرنے کیلئے 24 اکتوبر 1945 کو یو این او یعنی اقوام متحدہ وجود میں آئی۔ جس نے سب سے پہلے فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے کی منظوری دی جو بعد میں 1948ء میں اسرائیل کے نام پر وجود میں آئی۔ جنگ کے دوران لوگوں کو راشن کارڈ پر کورا کپڑا۔ مٹی کا تیل اور چینی ملا کرتی تھی۔ چائے کا رواج اُسی جنگ عظیم کے دوران شروع ہوا۔ سونا 20 روپے تولہ اور گندم 8 روپے من تھی تلہ گنگ کے قریب اکوال کے مقام پر 4 سال تک ایک فوجی چھاؤنی تعمیر ہوتی رہی۔ جس کے ہوائی اڈے کا رن وے اب بھی وہاں موجود ہے۔ ابھی یہ تعمیر جاری تھی کہ جنگ عظیم ختم ہوگئی۔ حکومت نے تمام ملبہ نیلام کر دیا۔ زمینیں مالکوں کو واپس دے دی گئیں۔ اس کے بعد ملک میں سیاسی سرگرمیاں شروع ہوگئیں اور 1947 میں انگریزوں نے ہندوستان تقسیم کر کے بھارت اور پاکستان کو آزادی دی اور یوں ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت ختم ہوگئی۔

تحریک پاکستان کے اثرات

1900ء میں جب انگریزوں نے انتظامی سہولت کیلئے برٹش انڈیا کے سب سے بڑے صوبے بنگال کو تقسیم کیا تو مشرقی بنگال اور مغربی بنگال دو صوبے وجود میں آئے ۔ چونکہ مشرقی بنگال کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت تھی جو مغربی بنگال کے ہندو ساہوکاروں اور کارخانے داروں سے آزاد ہو کر خوشحال زندگی گزارنے لگے تو ہندوؤں نے بنگال کی تقسیم پر احتجاج شروع کر دیا۔ جب کانگرس نے بھی ہندوؤں کے اس مطالبے کی حمایت کرنا شروع کی تو مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو بھی سیاسی حمایت کی ضرورت پیش آئی ۔ جس پر مشرقی بنگال کے دارالخلافہ ڈھاکہ میں بنگال کے ایک مسلمان لیڈر نواب سر سلیم اللہ خان نے 1906ء میں ہندوستان کے تمام مسلمان لیڈروں کی کانفرنس بلائی جنہوں نے آل انڈیا کانگرس کے مقابلے پر 30 دسمبر 1906ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کو جنم دیا اور سب سے پہلے تقسیم بنگال کو قائم رکھنے کا مطالبہ کیا بصورتِ دیگر جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ 1911ء میں دہلی دربار کے موقعے پر تقسیم بنگال ختم کر دی گئی اور جداگانہ انتخاب کا مطالبہ منظور کر کے انگریزوں نے مسلمانوں کو ایک الگ قوم تسلیم کیا۔ پہلی جنگِ عظیم ختم ہونے کے بعد جب خلافتِ عثمانیہ ختم ہو گئی تو ہندوستان میں تحریکِ خلافت شروع ہوئی ۔ مہاتما گاندھی نے جمعیت علمائے ہند ۔ احرار ۔ خاکسار اور سرخ پوشوں کو اعتماد میں لے کر تحریک خلافت کو تحریک ہجرت میں تبدیل کیا جس سے مسلمانوں میں مایوسی پیدا ہوئی ۔ علامہ اقبال نے اس مایوسی کو سامنے رکھ کر قائداعظم کو لندن سے بلا کر مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ جنہوں نے سب سے پہلے اپنے چودہ نکات کی بنیاد پر سندھ کو صوبہ بمبئی سے علیحدہ

کرایا۔ 1935ء کا ایکٹ پاس ہونے کے بعد جب پنجاب میں الیکشن ہوا تو سر سکندر حیات نے تلہ گنگ میں کیمپ لگا کر الیکشن جیتا ۔ ان دنوں ضلع کیمبل پور میں موجودہ ضلع اٹک ۔ تحصیل تلہ گنگ اور چونترہ بھی شامل تھا جو ایک ہی حلقہ انتخاب تھا۔ جس میں کھٹڑ اور کھنڈے ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ الیکشن جیت کر سر سکندر حیات نے جاگیرداروں کو اکٹھا کر کے یونی نسٹ پارٹی بنائی اور اسمبلی میں اکثریت حاصل کر کے پنجاب کے وزیراعظم بن گئے ۔ 1940ء میں جب الگ وطن کیلئے قرار داد لاہور منظور ہوئی تو دوسرے دن ہندو اخبارات نے مذاق اڑا کر اسے قرارداد پاکستان کہا جس کی مسلم لیگ نے دہلی کے اجلاس میں توثیق کی اور یوں تحریک پاکستان کا آغاز ہوا۔ چونکہ ہندو بھارت ورش کو بھارت ماتا کہتے ہیں اس لئے تقسیم ہند ان کے نزدیک ماں کی تقسیم تھی۔ جس پر قائداعظم کا یہ موقف تھا کہ اگر ہندو اپنے ذہن میں ذات پات کی وجہ سے انسانوں کی تقسیم کو درست قرار دیتے ہیں تو زمین کی تقسیم پر انہیں کیوں اعتراض ہے اس پر مہاتما گاندھی نے ذات پات کی تقسیم ختم کرنے کے لئے دہلی میں ایک آشرم کھولا جس میں برہمنوں ۔ شودروں ۔ ٹھاکروں ۔ دلتوں کے علاوہ مسلمانوں سکھوں اور عیسائیوں کو بھی بلایا جاتا اور ہندو مسلم سکھ عیسائی ہم ہیں سب بھائی بھائی کا گیت گا کر تقسیم ہند کی مخالفت کی جاتی۔ اور قائداعظم کو مذہبی انتہا پسند اور پاکستان کو برا بھلا کہا جاتا ۔ چونکہ تقسیم ہند کا مطالبہ دو قومی نظریے پر تھا۔ اس لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قوم ظاہر کرنے کے لئے کانگرس نے مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنا صدر بنایا۔ جمعیت علمائے ہند کے مولانا حسین احمد مدنی کے نزدیک ہندوستان کی تقسیم دراصل مسلمانوں کی تقسیم تھی اس لئے وہ پاکستان کے مخالف تھے

۔احرار پارٹی کے سید عطاء اللہ شاہ بخاری قائداعظم کو انگریزوں کا ایجنٹ کہہ کر پاکستان کی
مخالفت کرتے۔ خاکسار پارٹی کے علامہ مشرقی کے نزدیک مسلم انڈیا پر انگریزوں نے
غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا اس لئے انہوں نے خاکسار پارٹی (بیلچہ پارٹی) بنا کر پورے
ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت کا مطالبہ کر رکھا تھا اس لئے وہ بھی تقسیم ہند کے مخالف تھے
۔ چونکہ قائداعظم ؒ نے جاگیرداری نظام ختم کرنے کا اعلان کر رکھا تھا اس لئے ان وڈیروں
نے نمبرداروں۔ ذیلداروں کو اپنے ساتھ ملا کر پاکستان کے خلاف ووٹ دینے کا ایک منظم
پروگرام بنا رکھا تھا۔ انہی دنوں ایک عالم دین علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قائداعظم سے ملاقات
کر کے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور علی گڑھ یونیورسٹی میں تقریر کی کہ مسلمان ہمیشہ
مسجد میں بیٹھ کر اپنے حقوق حاصل کرتا ہے اس لئے پاکستان حاصل کرنے کے لئے ہمیں
مسجدوں کا رخ کرنا ہوگا جہاں ہمارا یہی ایک نعرہ ہوگا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ
۔ یہ تقریر سن کر تمام طلباء برصغیر میں پھیل گئے اور کچھ ہی عرصے کے بعد برصغیر کی ہر مسجد سے
یہی ایک نعرہ بلند ہونا شروع ہو گیا جس نے برصغیر کے تمام مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ایک
پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ ان دنوں تلہ گنگ میں کوئی سیاسی پارٹی نہیں تھی ضلع کیمبل پور
میں سید میر احمد شاہ ایڈووکیٹ ضلع مسلم لیگ کے صدر تھے وہ پیر لعل بادشاہ پیر آف مکھڈ
کے پاس گئے کہ آپ مسلم لیگ میں شامل ہو کر مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑیں۔ مگر پیر
صاحب نے انکار کر دیا۔ اس پر سید میر احمد شاہ اور راجہ غضنفر علی صاحب تلہ گنگ تشریف
لائے اور میرے تایا مرحوم غلام مصطفےٰ سابق میونسپل کمشنر کے ہاں آ کر ٹھہرے۔ تایا
صاحب نے شہر کے اکابرین سے ملاقات کی اور تلہ گنگ میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھ کر غلام

حسین میراثی کے ذریعے میانوالی روڈ پر واقع عیدگاہ میں مسلم لیگ کا جلسہ کرانے کا پورے
شہر میں ڈھنڈورا پیٹا گیا۔ اس مسلم لیگ کے بانی ارکان میں شیخ محمد یوسف چیف آرگنائزر۔
ملک غلام جعفر دھولہ صدر۔ غلام مصطفےٰ نائب صدر۔ شیخ سراج دین سیکرٹری۔ شیخ میراں بخش
خزانچی۔ اور ملک غلام عباس دھولہ پروپیگنڈہ سیکرٹری بنائے گئے۔ مسلم لیگ کا یہ پہلا جلسہ
جمعہ کے روز منعقد ہوا تھا جس میں خالصہ سائیکل ورکس کے مالک جوگندر سنگھ نے بیٹری پر
چلنے والا لاؤڈ سپیکر پانچ روپے پر مسلم لیگ کو کرایہ پر دیا تھا۔ جوگندر سنگھ کی وہ دکان آج
کل زمیندار میڈیکل سٹور ہے۔ چونکہ جوگندر سنگھ مسجد میں نہیں جا سکتا تھا اس لئے لاوڈ
سپیکر نصب کرنے کیلئے مجھے اور میرے کزن صوبیدار محمد نذیر مرحوم کو جوگندر سنگھ نے لاوڈ
اسپیکر اور مائیکروفون لگانے کا طریقہ بتایا اور مسجد کی دیوار کے باہر کھڑے ہو کر ہدایات دیتا
رہا۔ گرمی زوروں پر تھی سوڈے والی بوتلوں کا ایک ڈالا غلام محمد مجاہد کے پاس تھا جو وہ بار بار
جوگندر سنگھ کو پلاتا رہا جسکی نگرانی پر ملک غلام عباس دھولہ کی ڈیوٹی تھی۔ مسجد سے باہر ہندو اور
سکھ مسجد کے اندر مسلمانوں سے کہیں زیادہ موجود تھے۔ سید میر احمد شاہ صاحب کی صدارت
میں جمعہ کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا۔ سٹیج سیکرٹری شیخ سراج دین تھے۔ میرے والد
صاحب نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔ راجہ غضنفر علی صاحب نے پہلی تقریر کی۔ تقریر نے
لوگوں کے اندر اتنا جوش پیدا کیا کہ ہندو سکھ نعرے سن کر گھبرا کر چلے گئے۔ اسکے بعد ملک
غلام جعفر صاحب نے پھر میرے تایا غلام مصطفےٰ نے مختصر تقریر کی۔ اور آخر میں میر احمد شاہ
صاحب نے خطاب کیا۔ تلہ گنگ میں تحریک پاکستان کا یہ پہلا جلسہ تھا۔ اس جلسے نے تلہ
گنگ شہر کو ایک نئی زندگی عطا کی۔ میں ان دنوں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اپنے

دوسرے ساتھی بچوں کے ساتھ ہر روز سڑک اور بازار سے نعرے لگا کر گزرتا۔ بٹ کے
رہے گا ہندوستان بن کے رہے گا پاکستان۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ پاکستان
زندہ باد۔ مسلم لیگ زندہ باد۔ قائداعظم زندہ باد۔ رٹے رٹائے نعرے تھے۔ ایک دودن
ہندو سکھ مسلمان بچوں کے اس جلوس پر ہنستے رہے۔ تیسرے دن جب ہم پندرہ بیس لڑکے
سکول سے چھٹی کے بعد سڑک سے بازار میں داخل ہونے لگے تو پولیس کے دو سپاہیوں
نے ہمیں روکا۔ اور الکرم کے مقام پر واپس کر دیا۔ لڑکے ڈر کر منتشر ہو گئے۔ شیخ سراج دین
نے علم ہونے پر غلام حسین مراثی کو بلا کر ڈھنڈورا پٹوایا کہ کل عیدگاہ میں جلسہ ہوگا اور عصر
کے بعد جلوس ہوگا۔ حسب سابق جوگندر سنگھ کا لاؤڈ اسپیکر کرائے پر لیا گیا۔ پاکستان کے
بارے شیخ محمد ایوب حسرت کی نظم سنتے ہی مسلمانوں میں حد درجہ جوش پیدا ہو گیا۔ مسلم
لیگ کی مقامی قیادت نے تقریریں کیں اور جلوس چل پڑا۔ جو مسجد مندیال پر آ کر ختم ہوا۔
اسکے بعد ملک فیروز خان نون اور سردار شوکت حیات بھی آئے۔ راجہ غضنفر علی صاحب ہر
ہفتے تلہ گنگ آ کر میرے تایا جی کے ہاں آ کر ٹھہرتے۔ جہاں مجھے ان عظیم لوگوں کی
خدمت کرنیکا موقع ملا۔ تلہ گنگ میں مسلم لیگ کی قیادت انتہائی فعال اور منظم تھی۔ علی گڑھ
اور لاہور سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے طلباء تبلیغی جماعت کی طرح چار چار پانچ پانچ کی
ٹولیوں میں آتے۔ جنہیں مسلم لیگ والے سائیکل مہیا کرتے تھے۔ اور ایک مقامی آدمی
گائڈ بن کر ان طلباء کو ارد گرد کے گاؤں میں لے جاتا جہاں وہ تقریریں کرتے۔ مسلم
سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ہیڈ کوارٹر مسجد مندیال میں تھا۔ جن کی دیکھ بھال ملک غلام عباس ڈھولہ
محمد اقبال ڈھولہ اور غلام محمد مجاہد کرتے۔ میرے والد مرحوم بھی گائڈ بن کر ان طلباء کے ساتھ

جاتے تھے۔ انگریز حکومت نے جنگ کے فوراً بعد الیکشن کا اعلان کر رکھا تھا۔ اور پاکستان کا
مطالبہ اس شرط پر منظور ہونا قرار پایا کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں مسلم لیگ مسلمانوں
کی زیادہ سے زیادہ نشستیں حاصل کرے۔ مرکز میں مسلمانوں کی 30 سیٹیں تھیں۔ جبکہ
صوبوں میں 494 سیٹیں تھیں۔ پیر آف مکھڈ تلہ گنگ میں صوبائی اسمبلی کیلئے یونی نسٹ
پارٹی کے امیدوار تھے جبکہ شیخ محمد یوسف وکیل مسلم لیگ کے امیدوار تھے۔ تلہ گنگ شہر
کے خان صاحب ملک غلام حیدر کے ہاں ہر روز تحصیل کے نمبرداروں کی میٹنگ ہوتی جو پیر
آف مکھڈ کے دست راست تھے۔ اسلئے پیر آف مکھڈ پیر لعل بادشاہ وہ الیکشن یونی نسٹ
پارٹی کے ٹکٹ پر جیت گئے۔ دسمبر 1945ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مرکز کی تمام
کی تمام 30 سیٹیں جیت لیں۔ جنوری 1946ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے
اور 494 مسلم سیٹوں میں سے مسلم لیگ نے 430 سیٹیں جیت لیں جن کی صوبہ وار
تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ پنجاب کی 82 میں سے 75۔ سرحد 38 میں سے 17
سندھ 35 میں سے 28۔ بنگال 119 میں سے 113۔ آسام 34 میں سے 1
یوپی 66 میں سے 55۔ بمبئی 30 کی 30۔ مدراس 29 کی 29۔ سی۔ پی 14 کی 14
اڑیسہ 4 کی 4۔ بہار 40 سے 34۔ مسلم سیٹیں جیت کر قائداعظم نے یہ ثابت کر دیا کہ
پاکستان ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا مشترکہ مطالبہ تھا۔ پنجاب کا گورنر مسلمانوں کے
خلاف تھا۔ اس لئے اس نے خضر حیات ٹوانہ کو وزارت بنانے کی دعوت دی جسکی اپنی
پارٹی کی دس سیٹیں تھیں مگر اس نے کانگرس اور اکالی دل سے مل کر اکثریت حاصل کی
جس پر مسلم لیگ نے خضر وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کی پورے پنجاب

ب کی جیلیں مسلم لیگی کارکنوں سے بھر گئیں۔ میرے والد مرحوم گل محمد میال چار ماہ دس دن
تک کیمبل پور اور جھنگ مگھیانہ جیل میں نظر بند رہے۔اس سول نافرمانی کی تحریک نے
تحریک پاکستان کو اپنے عروج پر پہنچایا۔جس پر کانگرس کے ایک لیڈر بھیم سین سچر نے ایک
اخباری بیان دیا کہ پاکستان کا مطالبہ ایک فراڈ ہے۔ایک طرف مسلم لیگ مسلمانوں کی
حکومت کا مطالبہ کرتی ہے اور دوسری طرف مسلمان وزیر اعظم خضر حیات ٹوانہ کے خلاف
تحریک چلاتی ہے اس پر قائداعظم نے فرمایا کہ انگریزوں کی غلامی ۔ ہندوؤں کی بالادستی
اور جاگیرداروں سے نجات کا دوسرا نام پاکستان ہے۔تلہ گنگ سمیت پنجاب کے تمام
چھوٹے بڑے شہروں میں ہر روز خضر وزارت کے خلاف احتجاجی جلوس نکلتے۔ ہر روز عیدگاہ
سے لیکر مسجد مندیال تک جلوس نکالا جاتا۔جس میں ہمیشہ مسلم لیگ کا پرچم میرے ہاتھ
میں ہوتا تھا۔اور چونکہ اسی تحریک کے سلسلے میں میرے والد صاحب جیل میں تھے اس لئے
مسلم لیگ کی انتظامیہ ہمیشہ مجھ سے پیار کرتی اور اسی پیار کی وجہ سے مجھے ہمیشہ جلوس کے
آگے مسلم لیگ کا پرچم لیکر چلنے کا اعزاز حاصل تھا۔ان دنوں تلہ گنگ میں ایک سکھ تھانیدار
تعینات تھا۔ایک دن عصر کے بعد جب جلوس ختم ہوا تو میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جھنڈا
اٹھائے نعرے لگاتا گھر کی طرف آرہا تھا کہ سکھ تھانیدار نے لنڈہ بازار میں الٰہی بخش کی
دکان کے قریب لپک کر وہ جھنڈا چھیننے کی کوشش کی جس سے جھنڈا اُس تھانیدار کے ہاتھ
میں چلا گیا۔اور ڈنڈا میرے ہاتھ میں رہ گیا۔میں نے وہ ڈنڈا اس سکھ کے سر پر مارا تو اسکی
پگڑی کھل گئی اس نے مجھے پکڑ لیا اور تھانے لے گیا۔میرے ساتھی دوڑ کر میرے تایا جان
کے پاس گئے اس دوران اس سکھ تھانیدار نے میری خوب پٹائی کی۔آج بھی جب میں

تھانے میں جاتا ہوں تو ان سیڑھیوں پر رک جاتا ہوں جہاں مجھے مارا پیٹا گیا تھا۔تقریباً
ایک گھنٹے کے بعد مسلمانوں کے ایک جم غفیر نے تھانے کو گھیر لیا۔تھانیدار نے کسی طرح
سردار بندہ سنگھ وکیل کو بلوا بھیجا۔تھانیدار نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور میں ایک جلوس کی
شکل میں گھر آگیا۔ 3 جون 1947ء کو ہندوستان تقسیم ہونے کے علاوہ صوبہ سرحد اور
آسام میں ریفرنڈم کرانے کا اعلان ہوا۔اس ریفرنڈم میں بھی مسلم لیگ جیت گئی۔اس
تحریک میں غلام حسین بیلف نے ہمیشہ مسلم لیگ کو مقامی انتظامیہ کے اقدامات سے مطلع
رکھا۔جب والد صاحب جیل سے رہا ہو کر گھر آئے تو جیل میں آنکھیں خراب ہو جانے
اور علاج نہ ہونے کی وجہ سے وہ معذور ہو گئے تھے اس طرح 14 اگست 1947ء 27
رمضان المبارک کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔گورنمنٹ ہائی سکول تلہ گنگ میں پرچم
کشائی کی تقریب چوہدری سلطان خان نائب تحصیلدار کے ہاتھوں سرانجام پائی۔ جوان
دنوں تلہ گنگ کے سب سے بڑے سرکاری افسر تھے۔یونینسٹ پارٹی سے ہمدردی رکھنے
والا کوئی بھی اس تقریب میں شامل نہیں ہوا۔چونکہ سول نافرمانی کے دوران، تلہ گنگ سے
صرف میرے والد صاحب کو گرفتار کیا گیا تھا اس لئے انہیں مسلم لیگ انتظامیہ نے سب
سے زیادہ عزت دی۔اس تقریب میں تلہ گنگ کے تمام ہندو سکھ اور مسلمان شامل تھے۔
رمضان کا مہینہ تھا اس لئے پاکستان کے قیام پر ہر مسجد میں شکرانے کے نفل اور دعائیں مانگی
گئیں۔ 14 اگست کی رات کو پورا شہر جھنڈیوں سے سجایا گیا۔ ان دنوں لاہور سے
تیسرے دن زمیندار۔ملاپ ۔احسان اور ویر بھارت اخبار آیا کرتے تھے۔عید کے دن
پندرہ منٹ میں تمام اخبارات بک گئے۔ 14 اگست 1947ء کو پاکستان بن گیا مگر ایک

دن کی تنخواہ دینے کیلئے حکومت کے پاس ایک پیسہ تک نہ تھا۔ ریزرو بنک آف انڈیا کے اثاثے تاحال تقسیم طلب تھے۔ لاکھوں مہاجرین کی آمد۔ ہندو سکھ ملازمین کی نقل مکانی۔ سٹاف کے بغیر دفتروں کے کھلے دروازے۔ اور بند الماریاں کافی عرصے تک نئے سٹاف کا انتظار کرتی رہیں۔ جن جن دفتروں میں اکا دکا مقامی مسلمان ملازمین رہ گئے تھے۔ وہ پیپر پن کی جگہ کیکر کے کانٹوں کو استعمال کرنے پر مجبور تھے۔ اسی طرح فوج اور فوجی سامان تقسیم طلب تھا۔ ریڈ کلف نے کاغذوں پر سرحدوں کی نشاندہی کر دی تھی۔ مگر زمین پر نشاندہی ہونا باقی تھی۔ اس لئے تمام سرحدیں اوپن تھیں۔ پاکستان کے مشرقی حصے میں کوئی فوجی نہیں تھا۔ مغربی حصے میں ایک بلوچ رجمنٹ نوشہرہ چھاؤنی میں پانچ ٹینک پشاور ایئربیس پر ایک ڈکوٹا ہوائی جہاز اور کراچی میں ایک جہلم نامی بحری جہاز تھا۔ اور کچھ نیوی کے سپاہی اور افسر۔ جن پر پورے پاکستان کے دفاع کی ذمہ داری تھی۔ جبکہ ہندوستان کے پاس سب کچھ تھا۔ اور ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے پاکستان میں آنے والے خواہشمند سول اور فوجی ملازمین وہیں بھارت میں رک کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہندوؤں نے پاکستان کو ایک لولہ لنگڑا پاکستان قرار دیکر تقسیم کے عمل میں ایک ڈیڈ لاک پیدا کر رکھا تھا۔ قائداعظم کی بیماری اور پاکستان کی ناگفتہ بہ حالت کو دیکھ کر پنڈت جواہر لعل نہرو نے اکتوبر 1947ء میں جنرل کریاپہ کے ذریعے کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد جوناگڑھ۔ مناودر اور حیدر آباد دکن پر بھی قبضہ کر لیا۔ صوبہ بہار کے بعد تقسیم ہند سے مسلم کش فسادات کے بارے سن سن کر امیر سکھ اور ہندوؤں نے نقل مکانی شروع کر دی۔ پھر آہستہ آہستہ ہندوؤں اور سکھوں نے اپنا اپنا سامان بیچنا شروع کر دیا۔ اسی دوران

نے مجاہد بھرتی کر کے کشمیر لے جانا شروع کئے۔ لاکھوں کی تعداد میں مہاجرین آنا شروع ہو گئے۔ پنجاب یونیورسٹی نے طالب علموں کو بغیر امتحان کے سرٹیفکیٹ اور ڈگریاں جاری کیں۔ کیونکہ تمام طلباء نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں شامل ہو کر مہاجر کیمپوں میں اپنی خدمات پیش کیں۔ آگ اور خون کے سمندر سے گزر کر آنے والے ہی جانتے ہیں کہ پاکستان کیسے حاصل کیا گیا۔ اور اس پر کتنی جانیں اور عزتیں قربان ہوئیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان

1947ء میں جب بھارت پاکستان کے ساتھ آزاد ہوا تو سب سے پہلے سردار پٹیل نے
حکومت کو جاگیرداری نظام ختم کرنے کی تجویز پیش کی جس پر پورے بھارت میں ہندو مسلم
تمام جاگیرداروں نے احتجاج شروع کر دیا۔ مہاتما گاندھی نے جاگیرداروں کے اس
احتجاج کی سخت مخالفت کی جس پر اُنہیں 1948ء میں قتل کر دیا گیا۔ باپو کے قتل پر تمام
بھارت جاگیرداروں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا جس پر آزادی کے بعد بھارت نے جو پہلا
قانون منظور کیا وہ جاگیرداری نظام ختم کرنے کا قانون ہے اس قانون کے تحت تمام راجوں
۔ مہاراجوں ۔ نوابوں ۔ صاحبزادوں ۔ سیدوں ۔ سجادہ نشینوں ۔ ٹھاکروں ۔ پنڈتوں اور بر
ہمنوں کی تمام جاگیریں ضبط کر کے کاشتکاروں میں تقسیم کر دی گئیں۔ وڈیرہ شاہی کے تمام
اثرات اور نشانات ختم کرنے کیلئے بھارت نے انگریزوں کا چھوڑا ہوا تمام سرکاری سرداری
نظام تبدیل کر کے رکھ دیا۔ کئی نئے صوبے ۔ نئے ضلع ۔ نئی تحصیلیں اور نئے تھانے بنا کر لو
گوں کیلئے انتظامی سہولتیں پیدا کیں۔ عدل وانصاف میں حائل وقت اور فاصلے ختم کر کے
کئی مقامی عدالتیں بنائی گئیں۔ جس سے ایک ارب سے زیادہ آبادی والے اس ملک میں
لوگوں کو عدلیہ پر مکمل اعتماد ہے اور وہ زندگی کے کسی شعبے میں ناانصافی کے شکار نہیں ۔ یہی
وجہ ہے کہ وہاں آج تک مارشل لاء نافذ نہیں ہوا۔ یہی جاگیرداری نظام پاکستان کو بھی
ورثے میں ملا۔ جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو پاکستان سے بھارت جانے والے
ہندو سکھ سرکاری ملازمین کی تعداد نوے فیصد تھی اس لئے پاکستان کے ہرادارے اور ہر محکمے
میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ ہندوستان سے آنے والے مہاجرین میں بہت کم تعداد

سرکاری ملازمین کی تھی۔ وڈیرہ شاہی نے انگریزی قانون کے تحت حاصل مراعات سے
فائدہ اٹھا کر اپنے تمام رشتے داراور ساتھی محکمہ مال اور دوسرے محکموں میں بغیر کسی امتحان
کے بھرتی کرالئے اور یوں انتظامیہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر اسی وڈیرہ شاہی نے مسلم لیگ میں
شامل ہو کر پاکستان کی سیاست پر بھی قبضہ کر لیا۔ اگر کسی شخص کو اس کی مرضی کے مطابق
انتخابی حلقہ بندی یا وزارت نہ ملی تو اس نے اپنے نام کی الگ مسلم لیگ یا اپنے نام کی الگ
پارٹی بنالی اور مستقل طور پر اقتدار میں رہنے کیلئے اپنے اپنے خاندان کے لوگوں کو ہر سیاسی
پارٹی کی ممبر شپ اور لیڈر شپ دلا کر جمہوریت کا ڈھول پیٹنا شروع کر دیا۔ سرکاری سر
داری نظام کی کوکھ سے جنم لینے والے یہ خاندانی حکمران ہمیشہ اپنی سرداری کو قوم کی ہر بیماری
کا واحد علاج قرار دیتے ہیں ۔ اور اپنی حکمرانی کو قسمت اور مقدر قرار دینے کیلئے ان
سیاستدانوں نے مذہبی وڈیروں کو اُسی طرح اپنے ساتھ ملا رکھا ہے جس طرح ہندو
معاشرے میں راجکماروں نے برہمنوں کو اپنے ساتھ ملا رکھا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان
سیاستدانوں کے نزدیک اسلام پیروں فقیروں کے تعویذوں تک اور عوامی جمہوریت اُن
کے اپنے عزیزوں تک محدود ہے۔ جسے انہوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام دے رکھا
ہے۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کے نظریات کو چھوٹے لوگوں کے نظریات قرار دینے والے
ان حکمرانوں کا سیاسی تاریخ جغرافیہ اُن کے اپنے اپنے حلقے کے تھانے اور تحصیل تک محدود
ہے۔ جہاں وہ اپنی مرضی کا تھانیدار اور تحصیلدار تعینات کرا کر عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔
شہروں میں لوگ اپنی مرضی سے نظریات اور بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر ووٹ دیتے
ہیں مگر پاکستان کی اسی فیصد دیہاتی آبادی اس نعمت سے محروم ہے۔ دیہاتوں میں الیکشن

کے امیدواروں کا ووٹروں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ صرف گاؤں کے نمبرداروں سے ووٹ مانگتے ہیں کیونکہ پورا گاؤں ہر نمبردار کے کھونٹے سے بندھا ہوتا ہے۔ چونکہ مقامی طور پر نمبردار اور جاگیردار موروثی حکمران ہیں اس لئے پاکستان کے دیہاتی علاقوں کے تمام انتخابی حلقے ہر جاگیردار کی ایک ریاست ہے جہاں اس کی ہار اس کے مخالفین پر تلوار بن کر گرتی ہے اس لئے دیہاتی علاقوں کا الیکشن محض ایک آئی واش ہے جس کا جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں۔ پاکستان کی اس موروثی سیاست کے پیچھے نہ صرف یہ مقامی حکمرانی کارفرما ہے بلکہ افسر شاہی بھی ایک بہت بڑا فیکٹر ہے جس میں انگریزوں نے اس موروثی حکمرانی کو یقینی بنانے کے لئے تمام سرکاری ملازمتیں ان جاگیرداروں اور نمبرداروں کے لئے مختص کر دیں۔ محکمہ مال کے تمام ملازمین ان جاگیرداروں اور نمبرداروں کی اولاد ہیں یا ان کے رشتے دار ہیں۔ محکمہ مال کے یہ ملازمین ان جاگیرداروں اور نمبرداروں کی خواہشات کا پورا پورا احترام کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر قلم سے قانون کا قتل کر کے مخالفین کو ان کے حقوق سے بھی محروم کر دیتے ہیں اس طرح سرکاری سطح پر بھی اس موروثی سیاست اور موروثی حکمرانی کو ایک مکمل تحفظ حاصل ہے۔ چونکہ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اس لئے زمین کے مالکوں۔ مزارعوں اور محکمہ مال کے اہلکاروں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جو پورے ملک میں مقدے بازی کی اصل بنیاد ہے۔ بحیثیت وکیل میں نے محکمہ مال کے کئی مقدمات بھگتائے اس لئے اپنے تجربے کے تحت میں یہ بات قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تحصیلدار کے دو فنگشن ہیں۔ ایک حیثیت سے وہ ریونیو آفیسر ہے اور دوسری حیثیت سے ریونیو کورٹ۔ بحیثیت ریونیو افسر وہ ریکارڈ مال کا

محافظ ہے۔ زمینوں کی تمام رجسٹریاں اور انتقالات وہی تصدیق کرتا ہے۔ دو سال پہلے تک رجسٹری اور انتقال کی سرکاری فیس صرف دس روپے تھی اب زمین کی مالیت پر ایک فیصد ہے۔ مگر ہر انتقال اور ہر رجسٹری کی تصدیق پر حاجتمندوں سے ہزاروں لاکھوں روپے وصول کئے جاتے ہیں۔ جن میں تحصیلدار۔ گرداور۔ پٹواری۔ اشٹام فروش۔ عرضی نویس۔ نمبردار اور واصل باقی نویس کے علاوہ کئی پیشہ ور ٹاؤٹ بھی حصہ دار ہوتے ہیں اس طرح محکمہ مال کی سب سے نچلی سطح کرپشن کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ بحیثیت ریونیو کورٹ تحصیلدار زمین کے متعلق قانون کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند ہے مگر وہ چونکہ لاء گریجو ایٹ نہیں ہوتا اس لئے ریونیو کورٹس کی تمام کاروائی ریڈر اور اہلمد چلاتے ہیں۔ جس سے ناانصافی جنم لیتی ہے اور لوگ قتل جیسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ چونکہ محکمہ مال میں عدلیہ اور انتظامیہ کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا گیا۔ اسلئے محکمہ مال میں کرپشن پر کوئی چیک نہیں۔ محکمہ مال کی کارستانیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر پٹواری یا تحصیلدار ریکارڈ مال میں کوئی غلط اندراج کرے تو وہ متاثرہ شخص سے نذر نیاز وصول کئے بغیر اپنی غلطی بھی درست نہیں کرتے۔ محکمہ مال کی ان چیرہ دستیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک تو انہیں انتظامیہ میں اپنے ہی رشتے داروں نے تحفظ دے رکھا ہے دوسرے ان کو جو اختیارات ملے ہوئے ہیں وہ ان کے اہل نہیں۔ میں نے میٹرک پاس تحصیلدار دیکھے جن کو قانون کے ساتھ انگریزی بھی پڑھانا پڑتی تھی۔ پاکستان میں ہزاروں لاء گریجوایٹس موجود ہیں مگر پاکستان میں کوئی لاء گریجوایٹ تحصیلدار نظر نہیں آتا کیونکہ پاکستان کے یہ لاء گریجو ایٹس نمبرداروں اور جاگیرداروں کی اولاد نہیں۔ محکمہ مال کے ان غلط فیصلوں سے جب جرم

جنم لیتا ہے تو معاملہ پولیس کے پاس جاتا ہے جس میں مستغیث اور ملزم پارٹی نمبردار کے ذریعے پولیس کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتی ہے اور اونچی سفارش کے لئے نمبردار اور پولیس کی جیب بھرنا شروع کر دیتی ہے ۔ چونکہ نمبردار کے پاس گاؤں کا ووٹ بینک ہوتا ہے اس لئے ضلعے کا ناظم ۔صوبے کا ایم ۔پی ۔اے اور مرکز کا ایم ۔این ۔اے اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں ۔اور یوں عدل وانصاف کے تقاضے شروع سے ہی سیاسی دباؤ اور کرپشن کا شکار ہو جاتے ہیں ۔انگریزوں کے دور میں اینٹی کرپشن نام کا کوئی ادارہ نہیں تھا۔ ایک عام آدمی مقامی اور نچلی سطح پر کسی بھی کرپٹ اہلکار کے خلاف کسی بھی مقامی مجسٹریٹ کے سامنے کسی بھی وقت استغاثہ دائر کر سکتا تھا ۔ اس لئے سرکاری ملازمین کرپشن کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہتے تھے ۔ جب 1947ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا تو اسی سال اینٹی کرپشن محکمہ بھی وجود میں آیا جو عوام اور عدلیہ کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ اب کوئی بھی شخص کرپشن کے معاملے میں کسی بھی مقامی اہلکار کے خلاف مقامی عدالت سے رجوع نہیں کر سکتا ۔ ہر شخص کو کرپشن کے معاملے میں سب سے پہلے اینٹی کرپشن ڈائریکٹر کو درخواست دینی پڑتی ہے ۔جس پر اینٹی کرپشن عملہ انکوئری کرتا ہے اور اگر کرپشن کرنے والا اہلکار اینٹی کرپشن عملے کو اطمینان بخش حد تک کرپشن میں حصے دار بنا لے تو اس کے خلاف ایف ۔آئی ۔آر درج نہیں ہوتی ۔ جو ایک عام پریکٹس ہے اس لئے اینٹی کرپشن محکمہ از خود کرپشن کی ایک نرسری ہے ۔ چونکہ مقامی اہلکاروں کے خلاف مقامی عدالتوں کو مقدمے سننے کا کوئی اختیار نہیں اس لئے عام آدمی یہی سمجھتا ہے کہ سرکاری اہلکار قانون سے بالاتر ہیں ۔رہی سہی کسر گورنر جنرل ملک غلام محمد نے پاکستان کی وہ پہلی دستور ساز اسمبلی توڑ کر

پوری کر دی جس اسمبلی نے کرپشن اور جاگیرداری نظام ختم کرنے کیلئے قرارداد مقاصد منظور کی تھی ۔ گورنر جنرل کے اس اقدام کو فیڈرل کورٹ (سپریم کورٹ) آف پاکستان نے نظریہ ضرورت قرار دیکر انتظامیہ پر عدلیہ کی بالا دستی کو بھی ختم کر دیا ۔ان نامساعد حالات میں چوہدری محمد علی جیسے محبّ وطن لیڈروں نے ون یونٹ اور پیریٹی سسٹم کی بنیاد پر 1956ء کا آئین منظور کرایا ۔ پیریٹی سسٹم کے تحت جب تمام سرکاری محکموں میں ملازمتوں کا سب سے زیادہ کوٹہ مشرقی پاکستان کیلئے سامنے آیا تو مغربی پاکستان کی وڈیرہ شاہی نے ڈومیسائیل سرٹیفکیٹ بنوا کر کئی اعلیٰ اور ادنیٰ ملازمتوں پر قبضہ کر لیا اس کرپشن پر بنگالیوں نے احتجاج کرنا شروع کیا تو اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کیلئے افسر شاہی اور وڈیرہ شاہی نے باہمی سازش کے تحت فوج کو بلا کر اکتوبر 1958ء میں مارشل لاء لگوایا ۔فوج کے کمانڈر ان چیف جنرل محمد ایوب نے آئین توڑ دیا اور کرپشن کے خلاف قانون کو حرکت میں لانے کے بجائے اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا جس پر مغربی پاکستان کے چیف جسٹس جناب جسٹس ایم ۔آر ۔کیانی نے پہلی بار ایوب گورنمنٹ کی مخالفت کی جنہیں آج بھی ون مین اپوزیشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ جسٹس ایم ۔آر کیانی مرحوم کا یہ بیان آج بھی ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے کہ کرپشن عوام کو مجروح کرتی ہے ۔اینٹی کرپشن ادارے کو مجروح نہیں کرتی ۔اس لئے جب تک عوام کو کرپشن کے خلاف مقامی عدالتوں میں ریلیف حاصل کرنے کا حق نہیں ملتا کرپشن کبھی ختم نہیں ہو سکتی ۔ جب پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے بنیادی جمہوریت نافذ کرنے کا اعلان کیا تو قائداعظم کی وفات کے 16 سال بعد مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح گوشہ نشینی سے نکل کر باہر آ گئیں اور آپ نے صدر

ایوب سے مطالبہ کیا کہ بنیادی جمہوریت کی جگہ بنیادی انصاف نافذ کریں۔ کیونکہ جر
ملک اور معاشرے میں لوگوں کو بنیادی اور مقامی سطح پر انصاف نہیں ملتا وہاں جمہوریت بھی
کرپٹ افراد کو اقتدار میں لا کر کرپشن اور ناانصافی کو فروغ دیتی ہے۔ مگر صدر ایوب نے
مطالبہ ماننے سے انکار کیا جس پر مادرِ ملت نے اسی ون پوائنٹ ایجنڈے پر صدر ایوب کے
خلاف صدارتی الیکشن لڑنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان پر پورا مشرقی پاکستان مادرِ ملت کے
ساتھ آ کھڑا ہوا۔ چونکہ اس الیکشن میں عوام کو ووٹ ڈالنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ بلکہ یونین
کونسلوں کے نمائندوں نے ووٹ دیا تھا اس لئے مادرِ ملت وہ الیکشن ہار گئیں جس پر پورے
مشرقی پاکستان میں احتجاج اور مظاہرے شروع ہو گئے۔ ان مظاہروں اور احتجاج پر جب
بھارت کو یقین ہو گیا کہ مشرقی پاکستان کے لوگ مغربی پاکستان کے خلاف ہیں تو اُس
مغربی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ ستمبر 1965ء کی اس سترہ روزہ جنگ میں پاکستان آرمی
پاکستان نیوی اور پاکستان ایئر فورس نے ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ چونڈہ کے میدان
میں ٹینکوں کی لڑائی۔ دوارکا پر سومنات آپریشن۔ ہلواڑہ۔ انبالہ اور جودھ پور کے ہوائی
اڈوں پر ہوائی حملوں سے جب بھارت کو شرمناک شکست ہوئی تو بھارت نے مشرقی
پاکستان میں سازشوں کا جال پھیلایا۔ جن میں اگرتلہ سازش کیس سب سے زیادہ مشہور
کیس ہے۔ ان سازشوں کے تحت مکتی باہنی کے نام پر دہشت گردوں کی ایک تنظیم وجود میں
آئی۔ صدر ایوب مستعفی ہو گئے۔ جنرل یحییٰ خان نے فوجی آپریشن شروع کیا تو مشرقی
پاکستان میں احتجاج اور مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ جناب ذوالفقار علی
بھٹو صاحب نے ان مظاہروں اور احتجاج کو روٹی۔ کپڑے اور مکان کا مطالبہ قرار دے

پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔ جبکہ مشرقی پاکستان کے ایک لیڈر مولوی فرید احمد نے اس
احتجاج کو ان الفاظ میں بیان کیا کہ انسان دوسروں کو گھی شکر کھاتے دیکھ کر اپنی روکھی سوکھی
روٹی پر کبھی احتجاج نہیں کرتا اور نہ ہی روٹی کپڑے اور مکان کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ وہ ہمیشہ نا
انصافی کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور انصاف کا مطالبہ کرتا ہے۔ ون یونٹ توڑ کر جنرل یحییٰ
خان نے دسمبر 1970ء میں ون مین ون ووٹ کی بنیاد پر انتخابات کرائے۔ عوامی لیگ
جیت گئی۔ مگر پاکستان پیپلز پارٹی نے اس جمہوری فیصلے کو ماننے سے انکار کیا۔ اس طرح
16 دسمبر 1971ء کو مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے الگ ہو گیا۔ اُن دنوں راقم الحرو
ف پاکستان ٹیلی ویژن لاہور میں بطور ٹی۔ وی انجینئر تعینات تھا۔ جہاں بی بی سی سے
حاصل کی گئی وہ فلم دکھائی گئی جس میں جنرل نیازی نے جنرل اروڑہ کے سامنے ہتھیار
ڈالے تھے۔ اور یوں مغربی پاکستان کے 90 ہزار فوجی بھارت کی قید میں چلے گئے
1972ء میں شملہ معاہدے کے تحت ان قیدیوں کو رہا کرایا گیا۔ 1973ء
میں پاکستان کا عبوری آئین بنایا گیا۔ حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ روک کر جہاں ملک کو دو
لخت کرنے والوں کو پھانسی کی سزا سے بچایا گیا۔ وہاں 1974ء میں اسلامی سربراہ
کانفرنس بلا کر کانفرنس کے دوران ان وڈیروں نے پاکستان ٹیلی ویژن کے سٹوڈیو میں
اکٹھے ہو کر اُسی لاہور میں بنگلہ دیش کو تسلیم کیا جس لاہور میں بنگالیوں نے قرار داد پاکستان
پیش کی تھی۔ جس کیلئے اُنہوں نے ڈھاکہ میں مسلم لیگ بنائی تھی۔ اس طرح پاکستان مانگنے
والے اور بنانے والے بنگالی پاکستان سے الگ ہو گئے۔ اور جن جاگیرداروں نے تحریکِ
پاکستان میں پاکستان کی مخالفت کی تھی وہی جاگیردار بلا شرکت غیرے مغربی پاکستان

حکمران بن گئے ۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کر لینے کے بعد جب حکومت نے قادیانیوں کو
قرار دیا تو پورے ملک میں اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے نظام مصطفیٰ کی تحریک
سامنے آئی ۔ 1977ء کے الیکشن میں جب اس تحریک کے علمبرداروں کو شکست
پورے ملک میں ایک سیاسی بحران پیدا ہو گیا ۔ جنرل ضیاء الحق نے جناب ذوالفقار علی
اقتدار سے ہٹا کر مارشل لاء نافذ کیا اور آئین کو معطل کر دیا ۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو
کے مقدمے میں اعانتِ جرم پر مورخہ 4 اپریل 1979ء کو پھانسی کی سزا دی گئی
مصطفیٰ کے مطالبے پر زکوۃ ۔ عشر اور بیت المال کے نظام کے ساتھ ساتھ حدود آرڈ
نافذ کیا گیا ۔ آئین کو بحال کیا گیا ۔ مجلسِ شوریٰ وجود میں آئی ۔ محمد خان جونیجو کو وزیر اعظم
گیا جنہیں بعد میں وزارت سے ہٹا دیا گیا ۔ 1984ء میں ریفرنڈم کے ذریعے
ضیاء الحق پاکستان کے صدر بن گئے ۔ 1988ء میں ایک سازش کے تحت جنرل ضیاء
اعلیٰ عسکری قیادت کے ساتھ ایک ہوائی حادثے میں ہلاک کیا گیا ۔ جس میں امریکا کا
رافیل بھی شامل تھا مگر اس حادثے پر آج تک کوئی انکوائری نہیں ہوئی ۔ ضیاء الحق کے
بینظیر بھٹو ۔ پھر نواز شریف ۔ پھر بینظیر بھٹو اور پھر نواز شریف وزیر اعظم بنے ۔
1999ء میں جنرل پرویز مشرف اقتدار میں آئے ۔ نائن الیون کے بعد جب جنرل پر
مشرف کو عوامی حمایت کی ضرورت پیش آئی تو وہی موروثی سیاستدان حکمران بن کر سا
آئے ۔ عوام کیلئے بنیادی جمہوریت کو امرت دھارا قرار دینے والے ان حکمرانوں نے
کار کمشنری ختم کر کے ضلعی حکومت کا نیا نظام نافذ کیا جس میں پولیس کی اے ۔ سی ۔ آر لکھ
اختیار ناظم کے پاس ہے حالانکہ پولیس ہر روز ملزمان اور چالان مجسٹریٹوں اور سیشن ج

سامنے پیش کرتی ہے اس لئے پولیس ناظم کے دھڑے کو کیسے نظر انداز کر سکتی ہے ۔
لیس پر ناظمین کے انہی اختیارات کی وجہ سے جرائم پیشہ افراد پولیس سے بچنے کے لئے
مین کے کیمپوں میں نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جرائم کی شرح بڑھ گئی ۔ کمشنری ختم
نے کی وجہ سے ضلعی انتظامیہ اب کسی کے آگے جواب دہ نہیں ۔ اس لئے ضلعی انتظامیہ کی
کردگی بری طرح متاثر ہوئی ۔ حکمرانوں نے عدل و انصاف کی جگہ عوامی
نڈوں کو اہمیت دی جس سے دھڑے بندی اور غنڈہ گردی کو فروغ ملا ۔ اسی دھڑے
ی اور غنڈہ گردی نے قبضہ گروپوں کو جنم دیا جو پورے ملک کے لئے وبال جان بنے
ئے ہیں ۔ جب سے پولیس نے سیاسی دباؤ کے تحت قانونی ضابطوں کو سیاسی دھڑوں
کے مفاد میں استعمال کرنا شروع کیا تو سرکاری دفتروں میں بھی قبضہ گروپوں نے جنم لینا
روع کیا ۔ جن کی وجہ سے آج ہر سرکاری دفتر کی ہر کرسی ۔ ہر عہدہ ۔ ہر تعیناتی اور تبادلے کا
ریٹ ہے ۔ کرپشن کے ذریعے نوکری حاصل کرنے والے دن رات قلم سے قانون کا
ل کر کے پبلک ریکارڈ اور اعتماد کو مجروح کرتے رہتے ہیں ۔ اور ہر روز اتنا کچھ کما لیتے ہیں
کہ جو ان کی تنخواہ سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ان ملازموں نے اپنے دفتروں
میں کام کرنے کیلئے اپنے ملازم رکھے ہوئے ہیں ۔ ان کی بیگمات کی شاپنگ سے ملک بھر
میں شاپنگ پلازے اور باڑہ مارکیٹیں وجود میں آئیں ۔ ہر سال بچوں کو چھٹیاں گزارنے
کے لئے یورپ ۔ امریکہ اور دوسرے ممالک میں بھیجنے کا رواج شروع ہوا ۔ جس سے ملک
میں یورپ اور امریکہ کا نصاب پڑھانے کے لئے مہنگے سکولوں اور کالجوں نے جنم لیا ۔ جن کو
دیکھ کر سرکاری تعلیمی اداروں میں بھی سیلف فنانس سکیم نے ذہین طلباء پر تعلیم کے دروازے

منٹ میں ہونے والے فیصلوں کیلئے لوگوں کو کئی کئی ماہ اور کئی کئی سال پریشان رہنا پڑتا ہے۔ تمام تھانوں پر وڈیروں کا قبضہ ہے۔ کوئی بھی تھانیدار وڈیروں کے ڈیروں پر ہونے والے فیصلوں سے انحراف نہیں کرسکتا۔ اس ظلم وستم کے خلاف اول تو کوئی بھی شخص پولیس اور وڈیروں کے ڈر کی وجہ سے کسی عدالت سے رجوع نہیں کرتا اور اگر کسی طرح عدالت سے اپنے حق میں کوئی فیصلہ یا ڈگری حاصل کر بھی لے تو اس پر عمل درآمد کیلئے اُسے اُسی پولیس کے پاس جانا پڑتا ہے جو ہر معاملے میں اپنی تفتیش کا آغاز انہی وڈیروں کے ڈیروں سے کرتی ہے۔ اس طرح یہ فیصلے اور ڈگریاں بھی عدالتی نوٹسوں کی شکل میں وقت اور فاصلوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ان مجبوریوں کی وجہ سے لوگ مجبور ہو کر کرپشن کا سہارا لیتے ہیں۔ اس لئے سرکاری سرداری نظام کرپشن کی اصل جڑ ہے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انگریزوں نے جاگیرداروں کو تحفظ دینے کیلئے جو سرکاری سرداری نظام نافذ کیا تھا اُس میں ہر جاگیردار اور وڈیرہ اپنی ذات میں خود ہی عدلیہ۔ خود ہی انتظامیہ اور خود ہی مقنّنہ ہے اس لئے پاکستان کے یہ موروثی حکمران عدل وانصاف کی بالادستی کو کیسے گوارہ کر سکتے ہیں۔ چونکہ انصاف اصلیت دیکھتا ہے۔ اکثریت نہیں دیکھتا۔ اور سرکاری سرداری نظام میں عوام ان وڈیروں کے غلام ہیں۔ اسلئے پاکستان کے تمام جاگیردار اور وڈیرے جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ انصاف کا کوئی علمبردار نہیں۔ اسلئے جب بھی کرپشن کا کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا ہے۔ تو یہ لوگ قانونی عدالت کی جگہ عوامی عدالت کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ پاکستان کے یہی وڈیرے جب ممبر منتخب ہو کر اسمبلی میں جاتے ہیں تو وہ پارلیمنٹ کو بھی وڈیروں کا ڈیرہ سمجھ کر پارلیمنٹ کو سپریم اتھارٹی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ پارلیمانی نظام میں حکومت (انتظامیہ)

پارلیمنٹ (مقنّنہ) کی کوکھ سے جنم لیتی ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کا محاسبہ نہیں کر سکتے۔ پارلیمانی نظام میں عدلیہ کو انتظامیہ اور مقنّنہ پر بالادستی حاصل ہے۔ جو اسلامی جمہوریت کی اصل بنیاد ہے۔ عدلیہ کے محاسبے سے بچنے کیلئے پارلیمنٹ اور حکومت کبھی اصلاحات کے نام پر اور کبھی مفاہمت کے نام پر قانون سازی کرتے نظر آتے ہیں اور اگر آئین ایسی قانون سازی میں رکاوٹ بنے تو آئین میں ترمیم کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے موجود آئین میں 1973ء سے لے کر اب تک سترہ ترامیم ہو چکی ہیں۔ جس کی تمام تر ذمہ داری اُس سرکاری سرداری نظام پر عائد ہوتی ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہر آئین اور ہر قانون کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ چونکہ عوام اور عدلیہ کا کرپشن پر کوئی چیک نہیں۔ اس لئے اس سرکاری سرداری نظام نے میرٹ کو موت سے ہمکنار کر کے معاشرے میں ایک ۔ ایسی مایوسی پیدا کر رکھی ہے کہ پاکستان کا ہر پڑھا لکھا نوجوان اور قابل جو ہر اپنی اہلیت اور قابلیت دکھانے کیلئے ملک سے باہر جانے کیلئے ہر وقت تیار نظر آتا ہے۔ دیہاتوں کے تمام پڑھے لکھے لوگ اس سرکاری سرداری نظام کی وجہ سے عزت اور وقار کی تلاش میں پہلے دیہاتوں سے شہروں میں آتے ہیں اور پھر ملک چھوڑ کر باہر چلے جاتے ہیں۔ جس نے کئی ایمپلائمنٹ بیورو اور پروموٹرز کے ساتھ ساتھ کئی بردہ فروشوں کو جنم دیا جنہوں نے پاکستان کے کئی خاندانوں کے چراغ گل کیے مگر کسی کو آج تک کوئی سزا نہیں ملی۔ اس پراسیس میں جو لوگ بچ جاتے ہیں۔ وہ یا تو خودکشی کر لیتے ہیں۔ اور یا پھر دہشت گرد بن جاتے ہیں۔ ان سیاستدانوں کے نزدیک پاکستان سے باہر جانے والی افرادی قوت زرِ مبادلہ کمانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے جس نے قومی وسائل کو

افرادی قوت سے الگ کر کے جوخلا پیدا کیا اُسے پر کرنے کیلئے یہی سیاستدان غیروں کو سر
مایہ کاری کی دعوت دے کر قومی وسائل پر کمیشن کماتے ہیں۔کمیشن کمانے والے پاکستان
کے ان موروثی سیاستدانوں نے یورپ ۔امریکہ۔ برطانیہ اور مڈل ایسٹ میں انتہائی قیمتی
جائیدادیں خرید رکھی ہیں اور بڑی بڑی کمپنیوں اور بنکوں کے اکاؤنٹ ہولڈر ہیں۔اس
لئے ان سیاستدانوں کو پاکستان کا شہری کہنا پاکستان کی توہین ہے۔پاکستان کے ان
سیاستدانوں اور حکمرانوں نے اتنا کچھ بنالینے کے باوجود اپنے گاؤں ۔اپنے شہر یا اپنے
ملک میں اپنی جیب سے آج تک کوئی سکول۔کوئی ہسپتال یا کوئی اور فلاحی ادارہ قائم نہیں کیا
اور نہ ہی وہ کسی اور شخص کو ایسا کوئی ادارہ بنانے دیتے ہیں۔کیونکہ اپنی سرداری کو قائم ودائم
رکھنے کیلئے یہ لوگ کبھی گوارہ نہیں کرتے کہ کسی ادارے پر اُن کی جگہ کسی اور کے نام کی تختی
نصب ہو۔پاکستان بن جانے کے بعد جب غیر ممالک میں جانے والے ہنر مند طبقے نے
بہتر زندگی گزارنا شروع کی تو قدم قدم پر صفائی کیلئے وڈیرہ شاہی نے پولیس رپورٹ میں
رکاوٹ ڈالنا شروع کی جس پر 1988ء میں بورڈ آف ریونیو نے پیشے اور ذات پات کو
ایک دوسرے سے الگ کرنے کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔مگر آج تک اس پر عملدرآمد نہیں
ہوا۔اس لئے پاکستان میں ابھی تک ہنر مند طبقہ عزت واحترام سے محروم ہے۔وڈیرہ شاہی
کی یہی سوچ اور اپروچ پاکستان کی ترقی اور پاکستان ویلفیئر سٹیٹ بنانے میں بہت بڑی
رکاوٹ ہے۔تلہ گنگ کے ڈھلی گاؤں کے ملک غلام ربانی صاحب سے کون واقف نہیں
۔آپ گذشتہ 50 سال سے برطانیہ کے شہر گلاسگو میں رہائش پذیر ہیں۔آپ نے برطانیہ
میں بس کنڈکٹر بن کر رزقِ حلال پیدا کرنا شروع کیا۔اور اپنی محنت اور دیانتداری سے بر

طانیہ کا سب سے بڑا اعزاز MBE حاصل کیا پاکستان کیلئے موصوف نے از خود دل کھول کر
چندہ دیا اور کئی حاجت مندوں اور ناداروں کی مدد کی برطانیہ میں فنڈ ریزنگ کیلئے پاکستان کا
ہر ادارہ آپ کا محتاج ہے۔مگر کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں ملک غلام ربانی کے اپنے نام کا کوئی
ادارہ نہیں۔میرے نزدیک ملک غلام ربانی جیسے ہزاروں پاکستانی اپنے ملک کو یورپ اور
امریکہ جیسا ملک بنانا چاہتے ہیں مگر وہ ان وڈیروں کی سازشوں اور ڈر کی وجہ سے اپنے
گاؤں اور اپنے شہر میں کوئی ادارہ نہیں کھولتے۔اس لئے پاکستان بہترین افرادی قوت اور
بہترین وسائل کے باوجود ترقی کی نعمت سے محروم ہے۔دوسری جنگ عظیم کے ختم ہونے
کے بعد جاپان۔جرمنی۔روس اور برطانیہ میں ہلاکتوں کی وجہ سے مردوں کی تعداد کل آبادی
کا 20 فیصد تھی۔مگر ان ملکوں کے لیڈروں نے عورتوں کی افرادی قوت استعمال کر کے چند
سالوں میں اپنے اپنے ملک کو دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لا کھڑا کیا کیونکہ اُنہوں
نے کبھی بھی غیروں کو سرمایہ کاری کی دعوت دے کر اپنے وسائل تک رسائی کی اجازت نہیں
دی۔بلکہ اپنے سرمایے سے اپنی افرادی قوت کو جلا بخشی۔جس سے ہر شخص کو جب اُس کی
اہلیت اور قابلیت کے مطابق روزگار ملا تو بے روزگاری اور مایوسی ختم ہوگئی۔چونکہ ان
ممالک میں تمام سیاستدانوں اور قومی لیڈروں کو اپنی قوم کے ذہن اور زبان پر یقین ہے
اس لئے دُنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کیلئے غیروں
کی زبان اور ذہن استعمال نہیں کرتے بلکہ غیروں کی ترقی کو اپنی زبان میں استعمال کرتے
ہیں۔1945ء میں جب امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینک کر جاپان کو
شکست دی تو تعمیر نو کیلئے امریکہ کے جنرل میکارتھر اور جاپان کے جنرل ٹوجو نے ایک

دستاویز تیار کی جس میں امریکہ نے انگریزی زبان رائج کرنے کیلئے مالی امداد دینے کی پیش کش کی مگر جاپان کے بادشاہ ہیرو ہیٹو نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور یہ تاریخی کلمات کہے کہ ملک اور قوم ہمیشہ اپنے ذہن اور اپنی زبان میں ترقی کرتے ہیں۔ ہم اپنی جان تو دے سکتے ہیں۔ مگر اپنی زمین پر غیروں کا ذہن اور غیروں کی زبان گوارہ نہیں کر سکتے ۔ اسی اصول پر چین اور ملائیشیا نے پاکستان کے بعد آزاد ہونے کے باوجود دُنیا میں ترقی کی ایک مثال قائم کی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ یہ لوگ اپنی زبان۔ اپنی زمین اور اپنے ذہن سے پیار کرتے ہیں۔ چونکہ زمین تبدیل نہیں ہوسکتی البتہ ذہن اور زبان تبدیل ہوسکتی ہے۔ اسلئے انگریزوں نے لارڈ میکالے کے بنائے ہوئے نظام تعلیم کو نافذ کیا۔ جس نے دو دھاری تلوار بن کر ایک طرف طبقاتی نظام تعلیم کو فروغ دیا اور دوسری طرف غلامانہ ذہن رکھنے والے حکمران پیدا کئے۔ انگریزی تعلیم کی سرکاری سرپرستی کے باوجود علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے اُردو اور فارسی کو زندہ رکھا۔ چونکہ اُردو زبان میں دُنیا کی ہر زبان کا لفظ استعمال ہوسکتا ہے۔ اس لئے قائداعظم نے فرمایا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان اُردو ہو گی۔ اُردو زبان بولنے والے ڈاکٹر عبدالقدیر نے جب ایٹم بم بنایا تو عوام کی نظروں میں وہ قومی ہیرو بن گئے۔ مگر انگریزی بولنے والے غلام حکمران اُنہیں اُسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے اُنہیں یورپ یا امریکہ دیکھتا ہے۔ لندن اور واشنگٹن کی آشیر باد حاصل کرنے والے ان حکمرانوں نے عوامی ردِعمل کو تحلیل کرنے کیلئے ہمیشہ فوج ظفر موج کے ساتھ سر کاری خرچ پر حج اور عمرے کر کے اپنی پارسائی کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا جس پر کسی مذہبی وڈیرے نے بیت المال کے اس استعمال پر آج تک کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ اسلام

کے ان علمبرداروں نے ہمیشہ اپنے عقیدت مندوں کا ووٹ بینک کیش کرا کر فائدہ اُٹھایا اس لئے مذہبی اور سیاسی وڈیرے ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں۔ جن کو جب بھی موقع ملا تو اُنھوں نے پاکستان کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ لاکھوں۔ کروڑوں۔ اربوں کے قرضے معاف کرا کر غیر ملکی قرضوں کا بوجھ عوام کے کندھوں پر ڈال دیا۔ اس طرح عدل وانصاف کی محتاج پوری قوم کرپشن کی بند گلی میں آ کر پھنس گئی۔ جب بھی انتظامیہ کے عقوبت خانوں میں عوام نے کرپشن کے خلاف آواز بلند کی تو ہر دفعہ کوئی نہ کوئی ملک اور قوم کا ہمدرد کرپشن ختم کرنے کا پیغام لیکر اقتدار میں آیا مگر کسی بھی حکمران نے کسی بھی قومی لٹیرے کو کسی بھی عدالت کے سامنے لا کر اُسے عبرت کا نشان نہیں بنایا۔ اور نہ کسی کی جائیداد نیلام کر کے قومی نقصان کی تلافی کی۔ بلکہ ہر حکمران نے نئی اصلاحات اور نیا ادارہ بنا کر کرپشن میں اضافہ کیا ۔ چونکہ کوئی بھی حکمران انگریزوں کے دیئے ہوئے اس نظام کو تبدیل کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اس لئے اس نظام نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو خاندانی جمہوریہ پاکستان میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ میرے نزدیک نظام حکومت پر یہ خاموشی ہماری قومی زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہے جو ہم سب کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔

تلہ گنگ پر پاکستان کے اثرات

تحریک پاکستان سے پہلے تلہ گنگ میں کوئی سیاسی پارٹی یا کوئی فلاحی تنظیم نہیں تھی۔ نہ ہی
خدمات کی وجہ سے انگریز ہر شخص کی جان و مال اور عزت کی پوری طرح حفاظت کرتے تھے
اس لئے عوام کو انگریزوں سے کوئی شکایت نہیں تھی آج کل کیطرح انسداد رشوت ستانی یا
اینٹی کرپشن نام کا کوئی ادارہ نہیں تھا بلکہ ایسی کسی بھی زیادتی پر کسی بھی مقامی مجسٹریٹ کی
عدالت میں ایک عام آدمی کرپشن کے خلاف استغاثہ دائر کرسکتا تھا۔ اس لئے ہر سرکاری
ملازم ایک عام آدمی کو کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دیتا تھا۔ آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ
یہی ڈھوکیں گاؤں بنتے گئے۔ چونکہ یہاں کسی ہندو نے کوئی ڈھوک آباد نہیں کی اس لئے
ان ڈھوکوں اور گاؤں کا وہی سادہ اسلامی کلچر تھا جس میں آج بھی ہندو کلچر کی کوئی ملاوٹ نظر
نہیں آتی۔ البتہ تلہ گنگ شہر پر ہندوؤں کا مکمل کنٹرول تھا۔ مگر تلہ گنگ شہر کے چند ایک
ملت فروشوں کے سوا یہاں کے عام مسلمان ہندو سکھوں سے ہمیشہ الگ تھلگ ہو کر رہتے۔
تجارت اور مزروعہ اراضیات کی تمام پیداوار پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ کیونکہ بارانی علاقہ
ہونے کی وجہ سے جب بھی بیج خریدنے کیلئے یا تنگ دستی کی وجہ سے کسی فوری ضرورت کے
پیش نظر کسی مسلمان نے کسی ہندو ساہوکار سے قرضہ لیا تو ہمیشہ زمین رہن رکھ کر قرضہ لیا۔ جو
فصل اٹھانے پر آدھا حصہ بٹائی اور بقیہ آدھا حصہ قرض کے سود میں وصول کیا جاتا تھا۔ اس
طرح مسلمان تنگ آ کر زمین ہندوؤں کے نام منتقل کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قیام
پاکستان کے بعد تمام مزروعہ اراضیات ہندو متروکہ املاک تھی اسی طرح ہندوؤں کے جانے
کے بعد جب دکانیں سیل کی گئیں تو پورے شہر میں 124 دکانوں میں سے 107 دکانیں

ہندوؤں کی تھیں اور بقیہ 17 دکانیں مسلمانوں کی تھیں۔ ان سترہ دکانوں میں چھوٹے
بڑے گوشت کی 6 دکانیں۔ چمڑے اور جوتوں کی 6 دکانیں مٹھائی کی 2 دکانیں اور تین
مسلمان ہوٹل تھے۔ جو یہ بھی اس لئے تھیں کہ ہندو مذہبی طور پر یہ کاروبار نہیں کر سکتے تھے۔
تلہ گنگ اور تلہ گنگ کے ارد گرد کے گاؤں ہندوؤں کے لئے سونے کی ایک کان تھی۔
جہاں سے انہوں نے بے پناہ دولت اکٹھی کی۔ اس بات کا اندازہ اس بات، سے لگایا جا
سکتا ہے۔ کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد سونے شاہ فیملی کرول باغ دہلی میں چلی گئی۔ جہاں
انکی کئی دکانیں اور مینشن تھے۔ جوہر فیملی بمبئی چلی گئی جہاں انکا اپنا کارگو آفس اور ہوٹل تھا۔
اسی طرح نونہال فیملی آگرے چلی گئی جہاں وہ رائل ایئرفورس کے کینٹین کنٹریکٹر تھے۔
مقامی طور پر موجودہ الکرم پلازہ سے لیکر منصور مارکیٹ تک کم و بیش تمام جائداد سردار بندہ
سنگھ وکیل کی تھی۔ اور اس سے آگے عید گاہ تک نونہال کا رقبہ تھا جہاں اس نے ایک بہترین
کوٹھی تعمیر کر کے تلہ گنگ میں پہلی بار بجلی کا جنریٹر نصب کیا۔ درگڑ پار سناروں والا اور بھگتوں
والے ہندوؤں کے کنوئیں اور چاہی رقبہ تھا جسے مسلمان مزارعے کاشت کرتے تھے۔
اینٹیں بنانے کیلئے گنیش کا بھٹہ تھا۔ جہاں ایک ایک آنہ دو دو آنے یومیہ پر مسلمان مزدوری
کرتے تھے۔ ذات پات کی وجہ سے ہندو بری طرح بداعتمادی کا شکار تھے۔ اس لئے اپنے
پنڈتوں اور برہمنوں کو چھوڑ کر سیدوں سے اولاد اور کاروبار کیلئے تعویذ لیا کرتے تھے۔ اور
غوث کے دربار پر جایا کرتے تھے۔ جس سے ان کے اندر مسلمانوں کا ہمیشہ خوف طاری
رہتا تھا۔ ہندو ہمیشہ ایکدوسرے سے جڑے ہوئے مکانوں میں رہتے تھے تلہ گنگ میں کچا
کوٹھا ہندوؤں کے نزدیک ملیچھ اور نچلی ذات کی پہچان تھی۔ ذات پات کی اسی سوچ نے

ہندوؤں کی آبادی کو مسلمانوں کی آبادی سے کافی حد تک الگ کر دیا تھا۔ جو تلہ گنگ شہر میں ہندوؤں کی تین باولیوں کے درمیان تکون کی شکل میں تھے۔ ایک باولی گورنمنٹ ہائی سکول کے پاس ہے۔ دوسری مکہ پلازہ کے پاس اور تیسری درگڑ میں ہے۔ جہاں شہر کا واٹر سپلائی سسٹم نصب ہے۔ قیام پاکستان کے وقت تلہ گنگ شہر میں لڑکیوں کیلئے ایک مڈل سکول لڑکوں کیلئے ایک گورنمنٹ ہائی سکول۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کا ایک پرائمری سکول ایک سناتن دھرم اور ایک خالصہ پرائمری سکول تھا۔ جبکہ مسلمانوں کا کوئی سکول نہیں تھا۔ البتہ تلہ غرب کی پیراں والی مسجد میں حافظ سعد اللہ کی سربراہی میں لڑکوں کا ایک بہت ہی مشہور مدرسہ تھا جسکے حفاظ قراء دور دور تک جا کر یہی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ غازی میاں محمد شہید نے بھی اسی مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ غازی میاں محمد شہید کا تعلق تلہ گنگ شہر کے محلّہ غرب سے تھا 1936ء میں میاں محمد اپنی فوجی یونٹ کے ساتھ مدراس (بھارت) میں تھے جہاں وہ مورخہ 16 مئی 1936ء کو دو ہندو ڈوگروں کے ساتھ گارڈ ڈیوٹی پر تھے کہ ایک ہندو ڈوگرہ واہ۔ واہ پیارے محمد کا نعتیہ کلام پڑھ کر جھومنے لگا۔ جس پر دوسرے ڈوگرے سپاہی چرن داس نے اسے منع کیا اور رسول پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے لگا۔ جس پر میاں محمد نے اسے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا۔ میاں محمد نے نماز پڑھ کر رائفل لوڈ کی اور چرن داس پر فائر کھول کر میگزین خالی کر دی اور اسے واصل جہنم کر دیا۔ کورٹ مارشل کے تحت غازی میاں محمد شہید نے تختہ دار پر شہادت کی سعادت حاصل کی۔ انہیں وہیں مدراس میں پیر دستگیر ساوی کے قبرستان میں ہزاروں لوگوں نے جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔ جہاں آج بھی لوگ پھولوں کی چادریں چڑھاتے رہتے ہیں حافظ سعد اللہ کی اس دینی

درسگاہ کی وجہ سے تلہ غرب اسلام کا ایک بہت بڑا قلعہ تھا۔ جسکے چینجی چوک میں آئے دن علمائے کرام تقریریں کیا کرتے تھے۔ میں نے خود بچپن میں والد صاحب کے ہمراہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولوی گلشیر آف ملہووالی کی کئی بار تقریر سنی۔ اسی اسلامی جذبے کے تحت غازی میاں محمد شہید کے والد مرحوم ملک غلام محمد اور انکے چچا مرحوم ملک مرزا خان نے عیدگاہ کیلئے سات کنال اراضی وقف کی جس کی تعمیر میں گجرات کے عالم دین سید ظہور شاہ نے اپنی پر اثر تقریروں اور نعتوں سے عورتوں کے زیورات تک چندے میں حاصل کئے جو بعد میں تحریک پاکستان کا تلہ گنگ میں ایک مرکز بن گیا۔ 1939ء میں مجھے ڈسٹرکٹ بورڈ پرائمری سکول میں داخل کیا گیا۔ جہاں ملک غلام حسین صاحب ہیڈ ماسٹر تھے۔ سکول کی ہر کلاس میں ٹاٹ ہوا کرتے تھے۔ جن کو چھٹی سے پہلے جھاڑ پونچھ کر اور کمرے کو صاف کر کے بچھایا جاتا۔ میز اور کرسی صرف استاد کیلئے ہوتی تھی۔ صبح کا آغاز حمد خدا سے ہوتا تھا۔ پرائمری سکول میں پہلی جماعت سے چوتھی جماعت تک میں نے مولوی عبدالحمید صاحب۔ لالہ بشن داس۔ ملک قربان حسین۔ اور مہتہ چونی لعل سے تعلیم حاصل کی۔ اسکے بعد گورنمنٹ ہائی سکول تلہ گنگ میں داخل ہوا۔ اور پانچویں جماعت سے لیکر دسویں جماعت تک سید حیدر شاہ صاحب۔ نرائن داس ڈھوڈی۔ مولوی محمد شریف صاحب۔ سید مزمل حسین شاہ صاحب۔ سردار سنت سنگھ۔ مولوی غلام جیلانی صاحب۔ لالہ امر ناتھ۔ چوہدری عبدالرشید صاحب۔ شیخ امیر مختار صاحب۔ ملک اگر خان صاحب اور فضل کریم خالد صاحب سے تعلیم حاصل کر کے 1949ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک پاس کیا۔ حمد خدا کے بعد اکثر سکول کے ہیڈ ماسٹر ملک اگر خان صاحب مختصر سی

تقریر کیا کرتے تھے جو ہمیشہ ان الفاظ کے ساتھ ختم ہوتی تھی۔ کہ جو لوگ وقت اور وعدے
کی پابندی نہیں کرتے وہ زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ ساٹھ ستر سال پہلے
گورنمنٹ ہائی سکول کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں نے میری زندگی پر انتہائی گہرے
اثرات مرتب کئے۔ محمد رمضان چپڑاسی سکول کی گھنٹی بجایا کرتے تھے۔ جسے ہم سکول کی ٹلی
کہتے تھے۔ سکول لگنے سے آدھ گھنٹہ پیشتر ایک خاص تال کے ساتھ یہ ٹلی بجتی تھی جو پورے
شہر میں سنائی دیتی تھی۔ سکول لگنے کی گھنٹی کے بعد سکول کا مین گیٹ بند ہو جاتا تھا۔ جو اب
بھی موجود ہے۔ اس گیٹ کے علاوہ مغرب کی طرف بھی ایک چھوٹا سا گیٹ تھا۔ جس پر
سکول لگنے کے بعد لالہ امرناتھ سیکنڈ ماسٹر ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جاتے تھے اور دیر سے
آنیوالے طالب علموں کو وہیں لائن میں بٹھاتے اور ڈرل ختم ہونے کے بعد سزا دے کر
انہیں کلاسوں میں جانے کی اجازت دیتے۔ حمد خدا کے بعد آدھ گھنٹہ ڈرل ہوتی تھی بڑ
مہدی شاہ ڈرل ماسٹر تھے۔ جو بینڈ پر ڈرل کرایا کرتے تھے۔ گودڑ خان مرحوم ہمارے بینڈ
ماسٹر تھے۔ جن سے میں نے بھی طنبورہ بجانا سیکھا تھا۔ تمام کلاس رومز میں لکڑی کے بینچ اور
ڈیسک ہوتے تھے۔ اور ہر کلاس روم میں ہاتھ سے کھینچنے والا پنکھا ہوتا تھا جو سزا پانے والے
لڑکے کھینچا کرتے تھے۔ نصاب انتہائی سادہ اور بستہ انتہائی ہلکا ہوتا تھا۔ ہر ہفتے سکول کے
ہال میں بزم ادب کا اجتماع ہوتا تھا۔ جہاں مقالے۔ مضامین اور نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔
ہر اجتماع میں تین اساتذہ کرام ضرور موجود ہوتے تھے جو لڑکوں کو تقریر کرنے اور نظمیں
پڑھنے کا طریقہ سکھایا کرتے تھے۔ سکول کے گراونڈ کے مغربی حصے میں فٹ بال اور مشرقی
حصے میں ہاکی کھیلی جاتی تھی ہاکی میں چوہدری عبدالرشید صاحب ہمارے کوچ تھے۔ میں

نے ہمیشہ رائٹ آوٹ کی پوزیشن پر ہاکی کھیلی جس نے مجھے ائیر فورس میں اتھلیٹکس اور
ہاکی میں کافی عزت عطا کی۔ سکول بلڈنگ کے مغرب میں چھوٹے گراونڈ پر والی بال کے
مستقل نیٹ لگے رہتے تھے جہاں ہر روز مقابلہ ہوتا تھا۔ سید اعجاز عباس شاہ۔ ملک فرخ
سیر اور کرنل ریٹائرڈ ملک محمد یوسف مرحومین کے علاوہ جگدیش چندر۔ مان سنگھ اور سنت رام
والی بال کے مشہور کھلاڑی تھے۔ رئیس خانے کے مغرب میں اور سکول بلڈنگ کے جنوب
میں بھی ایک چھوٹا سا گراؤنڈ تھا جہاں ٹینس کورٹ تھا۔ اس ٹینس کورٹ میں لالہ امرناتھ۔
مولوی محمد شریف اور دیگر اساتذہ کے علاوہ بندہ سنگھ وکیل۔ شیخ محمد یوسف وکیل۔ ہسپتال کا
ڈاکٹر۔ تحصیلدار اور شہر کے پڑھے لکھے لوگ ٹینس کھیلا کرتے تھے۔ سکول کا تعلیمی اور نصابی
ماحول ایک بہترین ماحول تھا۔ سکول کے عجائب گھر میں ایک ریڈیو تھا۔ جس پر خبریں سن کر
سکول میں نصب بورڈ پر ہر روز شیخ امیر مختار صاحب خبریں لکھا کرتے تھے۔ جو تفریح کے ٹائم
پر وہ خبریں لڑکے پڑھا کرتے تھے۔ میں نے 3 جون 1947ء کو اسی ریڈیو پر تقسیم ہند کے
اعلان پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن۔ پنڈت جواہر لعل نہرو۔ قائداعظم محمد علی جناح اور سردار
بلدیو سنگھ کو انگریزی میں تقریریں کرتے سنا۔ جس پر وہاں پر موجود تمام مسلمانوں کے
چہرے چمک اٹھے جب قائداعظم نے آل انڈیا ریڈیو پر پاکستان پائندہ باد کا نعرہ لگایا۔
میں ان دنوں نویں جماعت کا طالب علم تھا اور تھوڑی بہت انگریزی بھی سمجھتا تھا۔ 1946ء
میں جب میں آٹھویں جماعت میں تھا تو جغرافیہ کے استاد شیخ امیر مختار صاحب نے ہمیں
شمالی امریکہ پر سبق پڑھایا۔ دوسرے دن انہوں نے ٹیسٹ لیا اور سب سے پہلے مجھ سے
پوچھا کہ سان فرانسسکو کیوں مشہور ہے؟ جب میں انہیں خاطر خواہ جواب نہ

ایک متبرک مقام تھا جسے ہندو عورتیں ہر روز گائے کے گوبر سے لیپائی کرتی تھیں۔ چونکہ تمام
مزدور مسلمان ہوتے تھے اس لئے اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کسی مزدور کو کسی ہندو کے گھر جانا
پڑتا تو ہندو اس چیز کو گنگا کے پانی سے پاک پوتر کئے بغیر کبھی استعمال نہ کرتے تھے۔ تمام
سکولوں میں ہندو مسلم پانی کا الگ الگ انتظام تھا۔ اس کے باوجود مسلمان ہندوؤں کی
چیزیں کھا لیتے تھے۔ مگر ہندو کبھی بھی مسلمانوں کی کوئی چیز نہیں کھاتے تھے۔ تجارت کے
علاوہ انتظامیہ میں بھی ہندوؤں کی اجارہ داری تھی۔ محکمہ مال کے اسی فیصد پٹواری اور دیگر
عملہ ہندو تھا۔ چونکہ انگریزوں کی ہندو نواز پالیسی کی وجہ سے انتظامیہ ہمیشہ غیر محسوس
طریقے پر ہندوؤں کی طرف داری کرتی تھی۔ اس لئے تلہ گنگ کے تھانے یا جوڈیشل
لاک اپ کا ٹھیکہ ہمیشہ شیرے کمہار کے پاس رہا۔ جو مسلمان حوالاتیوں کو کھانا دیا کرتا تھا۔
ان مسلمان حوالاتیوں میں اکثریت ان ملزموں کی ہوتی تھی جو ہندو بیوہ عورتوں کو
مسلمان کر کے شادی کرتے تھے۔ جن کے خلاف ان بیواؤں کے ہندو رشتہ دار اغوا کا
پرچہ درج کرا کر انہیں گرفتار کراتے جو عورتوں کے بیان پر بری ہو جاتے تھے۔ ان تمام
تعصبات اور نفرتوں کے باوجود ہندوؤں میں خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والے بھی
موجود تھے۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت انت رام ٹرسٹ ہے جس نے بیسوی صدی کی
تیسری دہائی میں گورنمنٹ ہائی سکول کے مغرب میں ایک زنانہ ہسپتال تعمیر کیا۔ جو اب
بھی ریڈ کریسنٹ والے چلا رہے ہیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد گاؤں سے تمام ہندو
تلہ گنگ آ گئے جہاں سے وہ بخیر وعافیت ہندوستان چلے گئے۔ جن کے جانے پر کسی کو کوئی
افسوس نہیں ہوا۔ نہ ہی کسی نے ان کا مکان لوٹا اور نہ ہی کوئی دکان لوٹی اور نہ ہی کسی کو قتل کیا۔

گاؤں اور دکانوں کو سیل کر کے حکومت نے پنجاب سے آنے والے مہاجرین کو آباد کیا۔
یہاں قلیل عرصے میں دکانیں بھی سامان سمیت اندازاً قیمت لگا کر کچھ مقامی لوگوں کو اور
کچھ مہاجرین کو الاٹ کر دی گئیں۔ اس طرح کاروبار زندگی بحال ہو کر چل پڑا۔ اور کسی کو یاد
تک نہیں کہ یہاں ہندو سکھ بھی رہتے تھے۔ ہندوؤں نے معاشی غلامی کے ذریعے
مسلمانوں میں جو گھٹن پیدا کر رکھی تھی وہ معاشی آزادی ملنے سے ختم ہو گئی۔ اور ہندوؤں
کے چلے جانے سے تلہ گنگ میں جو معاشی اور تجارتی خلا پیدا ہوا تھا اسے مہاجرین سے
کہیں زیادہ دیہاتوں سے آنے والے لوگوں نے پر کیا۔ جن کو پاکستان سے پہلے پاکھڑی
کہہ کر مذاق اڑایا جاتا تھا۔ یہ وہی پاکھڑی ہیں کہ جن کی معاشی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ
اٹھا کر انگریزوں نے انہیں دس دس پندرہ پندرہ روپے ماہور تنخواہ پر سپاہی بھرتی کر کے
ایشیا۔ افریقہ اور یورپ میں اقتدار کے سورج کو کبھی غروب نہیں ہونے دیا۔ آج انہی ملکوں
میں وہی پاکھڑی ہزاروں۔ لاکھوں روپے ماہوار کمانے میں مصروف ہیں۔ جس کے
نتیجے میں کل تک جو لوگ پھاکڑے سے کچے کوٹھے تعمیر کرتے تھے آج وہ سنگ مرمر سے
کوٹھیاں تعمیر کر رہے ہیں وہی تلہ گنگ جو کل تک ہندوؤں کا ایک معاشی قلعہ تھا۔ آزادی
ملنے کے بعد مسلمانوں نے اس قلعے کی دیواریں گرا کر جب کاروبار کو پھیلایا تو چینجی اور
ملتان خورد جیسے گمنام گاؤں بھی کاروباری مرکز بن گئے۔ تلہ گنگ شہر میں کئی سو دکانیں کئی قسم
کی مارکیٹیں اور کئی بنک کاروبار میں مصروف عمل ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے تلہ گنگ میں
صرف ایک ہائی سکول تھا اب ہر یونین کونسل میں ایک سے زیادہ ہائی سکول نظر آتے ہیں۔
اسی طرح گورنمنٹ کالجوں کے علاوہ کئی پرائیویٹ تعلیمی ادارے تلہ گنگ اور تلہ گنگ سے

باہر پروفیشنل اور نان پروفیشنل تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔ صحت کے معاملے میں سرکاری ہسپتال کے علاوہ کئی غیر سرکاری ہسپتال اور ڈاکٹروں نے تلہ گنگ اور تلہ گنگ سے باہر اپنے کلینک اور نرسنگ ہوم بنا رکھے ہیں۔ اپنی زمین سمجھ کر ہر شخص زرعی پیداوار بڑھانے میں مصروف ہے۔ اور لوگ اتنے خوشحال ہیں کہ تھوہا محرم خان پورے پاکستان میں زیرو میٹر گاڑیاں خریدنے میں سرفہرست ہے۔ اس خوشحالی کا تمام تر کریڈٹ اُس کیمیا کو جاتا ہے جسے عرفِ عام میں اشرافیہ کہتے ہیں۔ اشرافیہ سے کون واقف نہیں۔ یہ ملک اور قوم کے وہ دانشور اور پیشہ ور لوگ ہوتے ہیں جو اقتدار سے بے نیاز ہو کر اپنے اپنے کام اور اپنے اپنے پیشے میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ ان میں وہ تمام علماء۔ فضلاء۔ فلسفی۔ محقق۔ سائنسدان۔ انجینئر۔ فنکار۔ دستکار۔ ڈاکٹر۔ وکیل۔ صحافی۔ شاعر۔ نقاد۔ اُستاد اور سپورٹس مین سب ہی لوگ شامل ہیں جو اپنی تخلیقی قوت سے نت نئے خیالات۔ نت نئی ایجادات اور دریافت سے معاشرے کو ترقی کی راہ دکھاتے ہیں۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں یہ کیمیا ہر ملک اور قوم کی اصل طاقت ہوتی ہے۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ کے آئین کے مطابق امریکہ کا ہر صدر الیکشن جیتنے کے بعد اپنی مرضی اور اپنی صوابدید سے اشرافیہ میں سے لوگوں کو چُن کر وزیر بناتا ہے۔ کانگرس یا سینیٹ کا کوئی عوامی نمائندہ وزیر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ پوری دُنیا پر چھایا ہوا ہے۔ امریکہ میں صدارتی انتخاب کی وجہ سے امریکہ کو جمہوریت کا علمبردار کہا جاتا ہے مگر اصل حکومت اشرافیہ کی ہوتی ہے۔ جس پر کانگرس اور سینیٹ ایک واچ ڈاگ بن کر تنقید کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ دُنیا کے ہر ملک میں لوگ اشرافیہ سے پیار کرتے ہیں۔ اس لئے عام آدمی

اشرافیہ کے پیچھے چلتا ہے۔ قائداعظم کو اشرافیہ اور عام آدمی کے اس پیار اور تعلق کا پورا پورا ادراک تھا اس لئے آپ نے تمام مذہبی اور سیاسی وڈیروں کی مخالفت کے باوجود الیکشن کا چیلنج قبول کیا اور ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے ووٹ حاصل کر کے پاکستان بنایا۔

تحریک پاکستان کے دنوں میں اشرافیہ نے میری زندگی پر انتہائی گہرے اثرات مرتب کیے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد 1951ء میں میں نے پاکستان ایئر فورس میں ریگولر سروس کے ذریعے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ 1956ء میں میرے تایا صاحب فوت ہو گئے۔ والد صاحب کی معذوری سے فائدہ اٹھا کر سیاسی مخالفین نے دانت تیز کرنا شروع کئے۔ اور جائداد پر کئی مقدمات کا آغاز ہوا۔ میں نے ایئر فورس سے درخواستیں دینا شروع کیں مگر ایس۔ کے محمود جیسا ڈپٹی کمشنر بھی رمضان پٹواری کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا۔ آخر کار میں نے خود وکیل بننے کا فیصلہ کیا اور 1964ء میں فضائیہ کی ملازمت ختم کر کے گھر آ گیا۔ ایک سال تک سینٹو مائیکرو ویو میں ملازمت کی 1965ء میں والد صاحب فوت ہو گئے۔ اور 1966ء میں میں لاہور گیا۔ جہاں میں نے ٹیلی ویژن میں ملازمت کیلئے درخواست دی اور مجھے اسی روز بطور ٹیلی ویژن انجینیئر ملازمت مل گئی۔ ان دنوں ٹیلی ویژن پروگرام شام پانچ بجے شروع ہوتا تھا۔ میں نے صبح کے وقت یونیورسٹی میں داخلہ لیکر 1969ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی اور 4 مزنگ روڈ پر سابق چیف جسٹس شیخ ریاض احمد صاحب کے چیمبر میں جانا شروع کیا جو ان دنوں وکالت کرتے تھے۔ ڈیڑھ سال کے بعد میں نے ٹیلی ویژن سے استعفےٰ دیا اور 1973ء میں میں نے تلہ گنگ بار ایسوسی ایشن کی ممبر شپ لے کر تلہ گنگ میں باقاعدہ پریکٹس شروع کی۔ جب خاندان اور

جائیداد کے معاملات درست سمت میں چل پڑے تو میں نے وراثت میں ملے ہوئے
سیاسی اثرات کے تحت اخبارات میں لکھنا شروع کیا۔ میں اس سلسلے میں نوائے وقت اخبار
کے ایڈیٹر جناب مجید نظامی صاحب اور نوائے وقت کے نامہ نگار ملک میاں محمد صاحب کا
زندگی بھر احسان مند رہوں گا کہ انہوں نے میرے جیسے ناتجربہ کار مضمون نگار کے ہر مضمون
کو شائع کیا۔ ملک میاں محمد صاحب نے تلہ گنگ میں صحافت کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کی
جسکے نتیجے میں تلہ گنگ میں پہلی بار متقارب کے نام پر 1996ء میں طارق اعوان نے
ایک ہفت روزہ اخبار جاری کیا۔ اور دو سال بعد یوم تکبیر کے موقع پر چوہدری غلام ربانی
نے تلہ گنگ ٹائمز ہفت روزہ جاری کیا۔ جس میں میں نے بھی طبع آزمائی کی۔ آج کل تلہ
گنگ کے اندر اور تلہ گنگ سے باہر شائع ہونے والے اخبارات کے کئی نامہ نگار اور
رپورٹر موجود ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ نکہ کھوٹ کے خوشنود علی صاحب اور خلیل ملک
صاحب کو ملکی اور غیر ملکی سطح پر بہترین صحافی مانا جاتا ہے۔ صحافت کے علاوہ آرٹ اور کلچر کو
بھی ترقی ملی۔ رحمان اور شوکی جیسے پینٹروں نے رنگ و روغن کے بہترین امتزاج سے
سائن بورڈوں اور بینروں کے ذریعے۔ کمپیوٹر کمپوزنگ کرنے والوں نے اُردو۔ انگلش اور
عریبک گرافکس کے ذریعے۔ نقشہ نویسوں اور معماروں نے ڈایزائینوں اور نقشوں سے
خوبصورت تعمیرات کے ذریعے اور ڈیکوریشن کرنے والوں نے اِن ڈور اور آؤٹ ڈور
ڈیکوریشن کے علاوہ زیورات۔ پارچات۔ فرنیچر اور پینٹنگز کے ذریعے تلہ گنگ کے شہر اور
لوگوں کو ایک خوبصورت زندگی گزارنے میں قابلِ تحسین خدمات انجام دے رکھی ہیں۔
ڈھرنال کے منیر مصور صاحب سے کون واقف نہیں آپ کو بین الاقوامی سطح پر بہترین

آرٹ تسلیم کیا گیا۔ منیر مصور صاحب نے ڈھرنال کے مقام پر مصور مثالی اکیڈمی بنا رکھی
ہے جو پاکستان میں بہترین مصور۔ بہترین مقرر اور بہترین تخلیقی ذہن پیدا کرنے میں اپنی
مثال آپ ہے۔ مصوری کے علاوہ تلہ گنگ میں آرٹ اکیڈمی نے بھی بہترین فنکار پیدا
کیے۔ جس کے بانی طاہر سلیم اور مظہر عباس ہیں۔ اس اکیڈمی میں محمد اکرم ذکی اور محمد حفیظ
جیسے فنکاروں نے تخلیقی آرٹ اور پیروڈی کو جلا بخش کر عوام سے ہمیشہ داد تحسین وصول کی۔
سپورٹس میں ہر سال تلہ گنگ میں آل پاکستان چیلنج کپ ہاکی ٹورنامنٹ منعقد ہوتا ہے۔
جس میں شفیق احمد (المعروف پرندہ) اور حاجی احمد فیصل ممدوٹ نے کئی بار راولپنڈی
ڈویژن کی صوبائی اور قومی سطح پر ہاکی میں اور اتھلیٹکس میں نمائندگی کی۔ بُڈھیال کے کیپٹن
محمد نواز مرحوم اتھلیٹکس میں ایشیا کے کلر ہولڈر تھے۔ پروفیسر فتح محمد ملک۔ عزیز ہمدانی۔ سید
ثروت علی شاہ اور خلش ہمدانی نے بھی بین الاقوامی سطح پر تلہ گنگ کے ذہن اور شعور کا لوہا
منوایا۔ جنرل (ر) ڈاکٹر اسد ملک۔ بریگیڈیئر (ر) ظفر ملک۔ ڈاکٹر ملک جاوید احمد۔
ڈاکٹر زاہد ملک۔ ڈاکٹر جاوید ملک۔ ڈاکٹر مسعود الحسن ملک۔ ڈاکٹر شمس الحق ملک۔ ڈاکٹر محمد
یوسف نیازی۔ ڈاکٹر خالد ملک۔ ڈاکٹر ثمینہ یعقوب۔ ڈاکٹر فتح شاہ۔ ڈاکٹر آفتاب
حیات۔ ڈاکٹر عبدالرزاق۔ اور ڈاکٹر قاضی محمد انور جیسے بہترین معالج تلہ گنگ کا عظیم
سرمایہ ہیں یہ بات قابل ذکر ہے کہ لاوہ کے ڈاکٹر محمد رفیق ذکی اور پچنند کے ڈاکٹر فتح خان
دنیا میں بہترین یورالوجسٹ مانے جاتے ہیں۔ دانشوروں اور پیشہ وروں کی ان خدمات
نے تلہ گنگ کے معاشرے پر انتہائی گہرے اثرات مرتب کیے جس کے نتیجے میں بزم
دانش وجود میں آئی جسکے روح رواں ملک محمد اکرم ضیاء ہیں مگر اس ادارے کی اصل بنیادی

اینٹ میرے کلاس فیلو سید منظور حیدر شاہ صاحب مرحوم نے رکھی تھی۔ بزم دانش کا ہر ماہ
اجلاس ہوتا ہے جس میں مقامی اور ملکی شعرا اور دانشور اپنے اپنے کلام اور اپنے اپنے
خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ جس نے نوجوان نسل کو بے راہ وروی سے بچا کر مثبت فکر و عمل
کی راہ پر گامزن کرنے میں ایک تاریخی کردار ادا کیا۔ اس بزم دانش کا وجود ان دانشوروں کا
مرہون منت ہے جنہوں نے تلہ گنگ کے گورنمنٹ کالج کو ٹھوس بنیاد فراہم کی۔ 1986ء
میں راقم الحروف کو گورنر پنجاب نے کالج کی ایڈوائزری کمیٹی کا ممبر تعینات کیا۔ اس کالج
نے تلہ گنگ کے تعلیمی میدان میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اسی کالج کے فارغ التحصیل
طلباء میں پروفیسر ڈاکٹر افتخار حیدر صاحب آج کل برطانیہ کے آکسفورڈ کالج کے پروفیسر
ہیں۔ اس کالج کے ان پرفیسروں نے ایک ایسا ماحول پیدا کیا کہ آج تلہ گنگ کے ہر محلے
اور ہر گاؤں میں ایک سکول نظر آتا ہے۔ جس میں لڑکیاں تعلیم میں لڑکوں سے کہیں زیادہ
دلچسپی لیتی ہیں۔ جو ملک اور قوم کیلئے ایک مثبت پہلو ہے۔ کیونکہ نپولین بونا پارٹ نے کہا
تھا کہ تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں جب
زکوٰۃ۔ عشر اور بیت المال کا محکمہ وجود میں آیا تو سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ نے سماجی بہبود کو
اُجاگر کرنا شروع کیا جس سے کئی این۔ جی۔ اوز۔ وجود میں آئیں۔ تلہ گنگ میں اس
مقصد کیلئے سوشل ویلفیئر آفیسر ملک محمد سلیم اور این۔ جی۔ اوز کوآرڈینیٹر ملک محمد اشرف نے
کئی سیمینار اور کئی ورکشاپس منعقد کیں جس سے اس علاقے کی عورتوں نے بھی سوشل
ویلفیئر میں حصہ لینا شروع کیا۔ میری اپنی اہلیہ بلقیس علوی نے بحیثیت ممبر زکوٰۃ عشر کمیٹی کئی
ناداروں۔ معذوروں۔ یتیموں۔ بیواؤں اور محتاجوں کی مدد کر کے اُن سے دُعائیں حاصل

کیں۔ اور پھر بحیثیت ممبر ضلع کونسل اُس نے تلہ گنگ میں خواتین کیلئے کمیونٹی سنٹر منظور کرایا
اسی طرح ٹمن کی ممبر ضلع کونسل آمنہ عمر کی سماجی خدمات انتہائی قابل تحسین ہیں۔ مقامی سطح
پر تلہ شرقی کی ملکہ نوشین اور تلہ غرب کی غلام صغریٰ۔ نسرین اسمٰعیل اور سامرہ جیلانی ملک
بھی لوگوں کی فلاح و بہبود میں پیش پیش نظر آتی ہیں۔ جس نے معاشرے پر انتہائی مثبت
اثرات مرتب کیے۔ لاہور سے تلہ گنگ آ کر جب میں نے یہاں پریکٹس شروع کی تو
میرے آنے سے پہلے تلہ گنگ بار کی کل تعداد 12 تھی جن میں سے ملک حبیب اللہ خان
ایڈووکیٹ۔ ملک افتخار حیدر ایڈووکیٹ۔ ملک خادم حسین ایڈووکیٹ۔ محمد الطاف ملک
ایڈووکیٹ۔ سید اظہر علی شاہ ایڈووکیٹ۔ ملک محمد اسحاق ایڈووکیٹ اور ملک عبدالعزیز
ایڈووکیٹ فوت ہو چکے ہیں۔ جن سے میں نے اپنی پریکٹس میں بہت کچھ سیکھا۔ اب اس
بار کی تعداد ایک سو وکلاء سے زیادہ ہے۔ اس بار سے ملک محمد کبیر ایڈووکیٹ کو ایڈیشنل
ایڈووکیٹ جنرل بنایا گیا اسی طرح ملک بشیر احمد کو اسسٹنٹ کمشنر بنایا گیا جو ڈپٹی سیکرٹری لاء
ریٹائر ہوئے۔ سردار ممتاز افضال اور ملک محمد رفیق اسی بار کے ممبر تھے جن کو سول جج بنایا گیا
انہوں نے انتہائی دیانتداری سے اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ سردار ممتاز صاحب بطور
ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ریٹائر ہوئے جب کہ ملک محمد رفیق صاحب اب بھی بطور ایڈیشنل
ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج سروس کر رہے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ٹمن کے ملک تاج
محمد خان صاحب ایڈووکیٹ کو فوجداری مقدمات میں ایک اتھارٹی سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح
اگر ہم تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے اثرات کا مجموعی طور پر جائزہ لیں تو لوگوں
میں سیاسی۔ سماجی اور معاشی طور پر ایک واضح تبدیلی نظر آتی ہے۔ اب لوگ اپنی دھرتی کی

مٹی کی قدر کرتے ہیں ۔ ملک امیر محمد خان اور صدر ایوب کے دور میں ایگریکلچرل
ڈیویلپمنٹ کارپوریشن قائم کی گئی۔ تا کہ ناہموار زمین کو قابل کاشت بنایا جاسکے۔ اس مقصد
کیلئے روس اور یورپ سے بھاری مشینری درآمد کی گئی اور ایک ہائی لیول ورکشاپ بنا کر کام
شروع کیا گیا۔ جسکے انچارج میجر جنرل ملک حق نواز (مرحوم) چیئرمین اے۔ ڈی۔ سی
تھے۔ بارانی زمینیں قابل کاشت ہونے سے پنجاب میں سیم اور تھوہر سے جو نقصان ہو رہا
تھا وہ پورا ہونا شروع ہو گیا۔ میں نے ایک تجویز حکومت کو بھیجی کہ اس ورکشاپ کی روشنی
میں یہاں ایک بارانی ایگریکلچرل کالج بنایا جائے جس پر ڈپٹی کمشنر جناب عظمت اللہ
صاحب تلہ گنگ تشریف لائے انہوں نے موقع ملاحظہ کیا اور میری اس
تجویز Appendix-2 سے اتفاق کیا جو Appendix-3 سے ظاہر ہے۔ میری اس
تجویز پر حکومت نے بارانی علاقوں میں زرعی تعلیم و تربیت پر توجہ دینا شروع کی۔ سب سے
پہلے تھوہا بہادر کے مقام پر بارانی ریسرچ انسٹیٹیوٹ قائم ہوا۔ پھر راولپنڈی میں بارانی یو
نیورسٹی وجود میں آئی۔ اس طرح تلہ گنگ سمیت پورا دوآبہ سندھ ساگر زرعی تعلیم اور ریسرچ
کی وجہ سے کافی خوشحال ہو گیا۔ اس خوشحالی میں اقلیتیں بھی برابر کی شریک ہیں۔ قیام
پاکستان کے بعد سب سے پہلے ڈھونڈا مسیح اور مہنگا مسیح اپنی اپنی فیملی کے ساتھ تلہ گنگ
آئے اور انہوں نے بلدیہ میں ملازمت اختیار کی اس وقت تقریباً 100 سے زائد مسیحی
خاندان تلہ گنگ میں آباد ہے۔ جن کا نمائندہ تحصیل کونسل کا ممبر ہے۔ سینٹ میری کیتھولک
چرچ کے علاوہ یہاں پروٹسنٹ چرچ بھی ہے۔ ان کے بچے پڑھ لکھ کر سرکاری ملازمت
کر رہے ہیں۔ ان کا ایک نامور درویش تھا۔ جس کا نام بابا نیالی تھا۔ جس کا وہ ہر سال ہاڑ

کے مہینے میں عرس مناتے ہیں۔ جب میں نے لاہور سے آکر تلہ گنگ میں پریکٹس
شروع کی تو ان دنوں ہمارا ضلع اٹک تھا۔ میں اکثر و بیشتر اپیلوں کے سلسلے میں وہاں جایا
کرتا تھا۔ میرے ساتھ بس میں پھٹے پرانے کپڑوں میں تلہ گنگ کے لوگ بھی مقدمات
کے سلسلے میں جایا کرتے تھے جن کو سرکاری اہلکار انتہائی حقارت سے دیکھتے تھے۔ میں نے
اس حقارت کی وجہ ڈھونڈنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ اٹک اور جنڈ کے مقامات پر مال مویشی
اور ڈرگ سمگلنگ کی بارٹر ٹریڈ ہوتی ہے جس کی آڑ میں راولپنڈی کی باڑہ مارکیٹ آباد ہے
اور پولیس کے کئی اہلکار کروڑ پتی ہیں اس لئے تلہ گنگ کے غریب لوگ انہیں سادے سکتے
ہیں۔ سینکڑوں میل سفر کے بعد بھی جب میں نے لوگوں کو ناکام اور روتے دیکھا تو اس
مسئلے کو حل کرنے پر غور کرنا شروع کیا۔ بحیثیت وکیل مجھے اس بات کا پورا طرح علم تھا کہ
ضلعی ہیڈ کوارٹر لوگوں کی دادرسی اور ترقی کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ اس لئے جب میں نے
تلہ گنگ کے اردگرد نظر دوڑائی تو جہلم سے میانوالی اور اٹک سے سرگودھا تک چالیس ہزار
مربع میل کا علاقہ جزیرہ انڈیمان نظر آیا جس میں کوئی ضلعی ہیڈ کوارٹر نہیں تھا۔ لوگوں کی
مصیبتوں میں وقت اور فاصلے کا بہت بڑا ہاتھ تھا اس لئے وقت اور فاصلہ کم کرنے کیلئے میں
نے تلہ گنگ کو ضلع بنانے کی تحریک شروع کی۔ مورخہ 17-01-1975 کو نوائے وقت
راولپنڈی میں میرا پہلا مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا تلہ گنگ کو ضلع بنایا جائے۔ (جو
آگے بطور ضمیمہ اس کتاب میں شامل ہے)۔ اس مضمون نے علاقے میں ہل چل مچا دی۔
ہر فرد اور ہر تنظیم نے اس تجویز کی حمایت کی۔ بہترین آب و ہوا اور بہترین افرادی قوت کی
وجہ سے کئی صنعتکاروں نے ضلعی ہیڈ کوارٹر کے اس مطالبے پر اس علاقے میں آٹو اور

الیکٹرانک انڈسٹری لگانے کیلئے اپنا اپنا سروے شروع کیا۔ جب وزیراعظم ذوالفقار علی
بھٹو صاحب نے اٹک کا دورہ کیا تو میں نے میجر (ر) محمد اکبر آف نرگھی سے رابطہ کر کے
وزیراعظم سے ملاقات کی اور یہ تجویز پیش کی جس پر انہوں نے ہدایت کی کہ آپ یہ تجویز
انکے سیاسی مشیر ملک محمد حیات ٹمن کو پیش کریں۔ میں نے مولوی باز خان تریڑ کے ساتھ
اسلام آباد میں ملک محمد حیات ٹمن صاحب سے ملاقات کی جنہوں نے ہمیں کہا کہ یہ تجویز
کسی تنظیم کے ذریعے تحریری طور پر حکومت پاکستان کو بھیجنا چاہیے۔ واپس آ کر انجمن ترقی و
بہبود تلہ گنگ کے نام پر ایک تنظیم بنائی جس کا پہلا اجلاس جناب جمیل احمد صدیقی صاحب
کے مکان پر منعقد ہوا۔ جہاں میجر (ر) تصدق حسین شاہ صاحب آف چینجی کو انجمن کا صدر
اور مجھے جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔ ہم نے عوامی مسائل پر زمینی حقائق کی روشنی میں چارٹر
آف ڈیمانڈ تیار کرنا شروع کیا۔ اتنے میں مارشل لاء لگ گیا۔ صدر انجمن سید تصدق حسین
شاہ صاحب نے خرابی صحت کی وجہ سے استعفیٰ دے دیا۔ انجمن نے مجھے صدر اور ملک محمد
خان سابق کونسلر کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا۔ آخر کار ہم نے وہ چارٹر آف ڈیمانڈ
Appendix-4 تیار کر کے جناب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو اور مارشل لاء ایڈ
منسٹریٹر زون اے پنجاب کو بھیجا۔ جن کے جوابات Appendix-5
و Appendix-6 آئے۔ حکومت نے تلہ گنگ کے اسسٹنٹ کمشنر صاحب سے بھی
رپورٹ طلب کی جو Appendix-7 ہے۔ اس سلسلے میں انجمن نے اسلام آباد میں ملک
اللہ یار خان جنرل سیکرٹری تنظیم الاعوان کے ذریعے اور لاہور میں میجر جنرل حق نواز
صاحب کے ذریعے ارباب اقتدار سے ملاقات کر کے یہ تجویز پیش کی۔ وقت کے ساتھ

اس تحریک میں تیزی آتی گئی 1981ء میں پنجاب کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی
صاحب تلہ گنگ تشریف لائے۔ ریسٹ ہاؤس میں سابقہ فوجیوں کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس
میں راقم الحروف نے تلہ گنگ کو ضلع بنانے کی تجویز پیش کی جس پر گورنر صاحب نے بتایا کہ
یہ تجویز پہلے ہی زیر غور ہے انشاءاللہ آپ لوگ جلد اچھی خبر سنیں گے۔ 1984ء میں جب
جنرل ضیاء الحق صاحب نے ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا تو جنرل (ر) عبدالمجید ملک
صاحب نے چکوال میں جلسہ منعقد کرایا جہاں جنرل ضیاء الحق صاحب نے چکوال کو ضلع
بنانے کا اعلان کیا۔ اس طرح تحصیل تلہ گنگ یکم جولائی 1985ء میں ضلع چکوال کا حصہ
بن گئی۔ واقعاتی۔ فاصلاتی اور نظریاتی طور پر تلہ گنگ مرکزی حیثیت کی وجہ سے ضلعی ہیڈ
کوارٹر کیلئے زیادہ موزوں تھا جس کو نظرانداز کرنے سے آج بھی ضلع چکوال کی ترقی غیر
متوازن ہے کیونکہ تحصیل تلہ گنگ اب بھی ترقی سے محروم ہے مگر پاکستان بن جانے کے
بعد میں نے یہی دیکھا کہ --

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

محمد صدیق علوی ایڈووکیٹ تلہ گنگ

تلہ گنگ کو ضلع بنایا جائے

تلہ گنگ کو ضلع بنایا جائے

بنامی ڈھیہ معہ وجہ تسمیہ

وجہ تسمیہ

the areas now proposed to included in the district. At present executive head has to deal with the heads o the four districts Attock, Jhelum Mianwali and Sargodha. With the formation of the proposed district, it will be convenient for him to concentrate on the project as he will have coordinate with one district head to sort out the bottlenecks.

6. Facilities are already available at Talagnag for the implementation of this plan, The A.D.C Colony Spreads over considerable area and can easily accommodated the district headquarter officer.

7. The heads of various departments located at Attock may be associated so for as their involvement in the proposed new district is concerned so as to know their departmental facilities already available at Talagnag and also their future needs in this respect.

To sum up there is good justification for the creation of new district with the headquarter at Talagang to redress the genuine grievances of the people of the area and to met their long felt demand. if the proposal is accepted in principle I would suggest that an officer on Special Duty may be appointed by the Government to process the case very minutely by examining the financial implications etc.

گورنر پنجاب کا دورہ تلہ گنگ

حکومت پسماندہ علاقوں کے لئے خصوصی امداد فراہم کر رہی ہے

تلہ گنگ میں ہسپتال اور واٹر سپلائی سکیم کی توسیع کی منظوری

Comments are as follows:-

i. The proposed district with headquarters at Talagnag can conveniently be constituted to comprise:-

a. present revenue estate of Tehsil Talgang;

b. present revenue estate of Tehsil Chakwal

c. Police Station Kallar Kahar of Tehsil Pinddadann Khan Jhelum District;

d. Police Station Nowshera of Sagodha distect;

e. Police Station Chakral of Mianwali District;

Talagnag town occupies a central place and it will be within 50 miles radius from any extreme point o the above intergrating units. As such, it will be administrative a well nit unit which could be controlled and looked after more effectively than at present. a rough skectch map of the proposed district in enclosed for your kind information:

- The proposed district may comprise the following Tehsils or Sub Divisions.
- **TALAGANG**

  Police Station Talagna , Tamman and Neela of Tehsil Chakwal District Jhelum.
- **CHAKWAL**

  Police Station Chakwl, Dumman and Kallar Kahra (Pindadan Khan).

- **LAWA**

  Police Station Lawa Chakrala (Mianwali District) and Noweshra (Sargodha District)

  The population o the above constituting units will be approximately 10 lacs.

3. The formation of new district with above boundaries will not give any serious set back to the interests of people of the presently contiguous districts of Jhelum, Sargodha and Mianwali in the pursuit of their daily normal routine life. it is rather going to increase the efficiency of the administrative setup of those areas with a big relief to the common man.

4. The creation of the new district of Talagang will go a long way in alleviating the sufferings of a common man that he has to with stand is bearing expenditure and wasting time and labour on visiting the respective district headquarters. I feel highly disturbed to see a common man running from his village to the district headquarter at Attock for relief under law which some times costs him more than what is required.

5. Much stress is being laid by the present regime on rural development. In a Barani area, the tempo of rural developments may not be dertermind by the sale of agricultural input like seeds and fertilizer etc, because, this is not the real problem with whihc the formers of such and area are faced to boost up their production. The problems of the farmers of a barani area are water soil conservation and ground leveling. To achieve this end, their is an agency soan vally Land Improvement Project. This project is having its headquarters at Talagang and jurisdiction extends to

Deputy Secretay
(HQ MLA PUNJAB ZONE A PETITION CELL)

No. & date even.

A copy is forwarded for information to Mr. **Muhammad Siddique Alvi Adocate High Court President, Anjuman Taraqqi-e- Bahbood, Talagnang with reference to his No. ATBT/2 dated 8.3.78.**

Appendix-07

A copy of letter No: 480/ST, dated 20th May, 1972 from the Assistant Commissioner, Talagang to Deputy Commissioner, Attock.

Subject: **Proposal for new district with headquarters at Talagang.**

MEMORANDUM:

Please refer to your Endst No: 2561-HC/ dated the 13 May, 1978, on the Subject cited above.

- The demand for the creation of a new district with headquarter at Talagang is not a new one but it has been agitating the minds of the hereolbefore neglected common fold of the area. The people of Talagnag. and its adjoining areas bear more similarities inter-se in all respects i.e socially linguistically etc that those living in the other three Tehsils of Attock district itself, viz, Pindi gheb, Fateh Jang and Attock. The population of proposed district mostly belongs to the Awan tribe which is spread over the adjoining areas of Jhelum, sargodha and Mianwali.
- I have carefully gone through the enclosure to your endorsement referred to above and have also discussed the pros and cons of the proposal with its author **Muhammad Siddique Alvi, Advocate**. My

Appendix-5

CMLA`s Secretariat
Rawalpindi

Mr. S. M Yunus
Section Officer

No. F. 10(1) 178-SS/ML/IV

Dear Sir

I am desired to acknowledge the receipt of your letter dated 04th March 1978 address to the Chief Marshal Law Administrator and to inform you that your proposal has since been for worded to cheif secretary Govt. of Punjab for a appropriate action. your valuable suggestions have noted and your concern for the uplift of common man is appriciated.

Your`s truly
S. M. Yunus

Mr. Muhammad Siddique Alvi
President
Anjman Taraqi-e-Behbood
Talagnag.

Appendix-6

HQMLA PUNJAB ZONE A
PETITIONS CELL
LAHORE
Telephone No.68766
Case No.801/1/C/E/ML
March 28, 1978

To

The Additional Chief Secretary,
Government of Punjab
Services, General
Administration
and Information Department,
Lahore.

Subject: **PROPOSAL FOR A NEW DISTICT WITH HEADQUARTES AT.TALAGANG.**

Memo.

Enclose herewith is letter with enclosure (pages 1-16) which has been submitted to M.L.A Punjab **by Mr. M. Siddique Alvi, President Anjuman Taraqqi-e-Bahbood, Talagang, district Campbellpur** containing proposal for a new district with heaquarters at Talagang.

- The M.L.A has been pleased to desire that a study in depth may pleas be undertaken of the proposal and report submitted to him.
- i am accordingly to request you kindly to take the exercise and forward your report for the information of the M.L.A

by the project never let it appear to give expected results. Had this project been welded with the facilities of district headquarters, the yield of agricultural produce would have definitely compensated the loss due to water logging and salinity in Punjab.

POSITIVE CONTRIBUTION TO LAGISLATURE:

30. Under this plan, the individual interest is going to be welded with national interest instead of vested interest. It is because the freedom of a common man is the freedom of his mind conscience and atmosphere in which he lives. This factor is going to help in the election of local bodies as well as legislature. Which is definitely going to return the best man on the basis of his ability. Sincerity and patriotism. Expression of public opinion in this way is going to make a positive contribution to the whole nation.

SANCTTION OF PUBLIC OPINION:

31. In the light of all these problems and solution to that effect. When this proposal appeared first time in the press (daily nawa-e-waqat, Rawalpindi. dated 17-01-1975) The response of a common man appeared with full sanction. Resolutions passed by the Bar Association. Associations of traders, farmers and federations of labour union alongwith full support of all political parties appeared in the press. But we regret to say that the government did not take any notice. Due to the reason best known to them. (Please refer the attached photocstat copy)

CRUX & CONCULSION:

32. The crux of this whole discussion is the practical side of Administration which, according to versatile genius like George Washington and his followers, kept in mind and always provided the seat of every state capital an easy access of a common man. Capitols of Newyork and Callifornia States are proof to this effect. In views of this and many other examples of developed countries, we are confident to say that this proposal is definitely going to find a big relief both to the common man of this area as well as the national budget. As the change does not require any constitutional amendment or special grant (please refer to para no. 21) so we felt our selves duty bound to apprise the government on these problems and possible solution in the form of sincere suggestions. We hope that this proposal will find its proper place and would be considered sympathetically in the interest of nation as well as common man living in this area.

Thanks Sincerely Yours

Muhammad Siddique Alvi
Advocate High Court President
Anjman Taraqqi-o-behbood
Talagnag.

boundary of Tehsil Chakwal and police station of Chakrala respectively. Talagang being at distance of an evening return can provide the best possible contact between the common man and administration. In view of following facilities available at Talagnag let us study the impact of proposed district as well.

FACILITIES AVAILABLE AT TALAGANG.

21. In view of heavy pressure on national budget we looked around the facilities already available in correction with immediate implementation of this plan in this regard. We are confident to say that the ADC Colony can easily accommodate offices of district administration. Similarly the rest house can be declared as a notified area for the court and residence of district and session judge. also private accommodation is available upto the required standard of district officers. Telephone. Electricity. Water supply banking facilities along with schools colleges, hospitals and best transport facilities including an airport at Akwal are readily available. Last but not the least Talagang city is the only clean city in this area with 4 parallel blocks with best natural sewerage system.

IMPACT OF NEW DISTRCT H.Qs.

22. In the light of above mentioned facilities of welfare institutions already present at Talagnag. One would surprise to know that there is little impact of this central point over the surrounding area. It is because of no

check on the performance of the institutions but we are quite confident that the new district H.Qs will not only accelerate the speed of existing welfare machinery but also will give an everlasting impact on the mind and movement of masses in every sphere of life. It is because the direct effect of these institutions on the person of district officers and staff will force them to see that the performance of these institutions is upto the mark. In addition to this impact following effect is going to appear under this plan.

EFFICIENT ADMINISTRATIVE SETUP:

23. Under this plan, the district officers at Talagnag will have direct approach in all problems both the individual as well as of public at large. Their information concerning any matter will not be third person's information. An Evening of every organ of administration. As a result the welfare agencies under the administration are liable to give positive results as expected by a common man in this area.

RELIEF FROM CURRUPTION:-

24. Being near district headquarters, the common man would not suffer in the hands of corrupt public servants both at headquarters as well as at home. The direct access with no loss of money or time would encourage the common man to get them checked through reports or legal proceedings. Also the present exploitation by the anti social elements would be no more there. As a

Chakwal is a proof to this effect.

SENSE OF INSECURITY:

- The most important organ of administration is the police department; who are responsible for the person' property and reputation of any citizen of any state. The police force in this area is mostly misused by the vested interests and instead of helping a comman man in his problems the police stations have become a source of terror and torture. Even marders are alleged to have been committed there. This sence of insecurey is proved from this fact that the rate of private complaints in this area are much higher than in any other place in Pakistan. To us it is due to absence of required check being away from district. H.Q.s.

LOSS OF NATIONAL EXCHEQUER:

17. Apart from these physical; mental and financial problems of a common man the present seats of district head quarters have also been affecting the national exchequer.because the long distance tours of district officers and their staff gives a heavy loss to national exchequer in the form of traveling allowances. Having no evening return, their absence from district headquarters for many days increase the official work. which means more officers, hence more burdon on national exchequer.

FAILURE OF PROJECTS & WELFARE INSTITUTION:

18. The community projects and programmes of welfare in a district are directly under the control of

district authorities. First of all the absence of direct supervision gives a way to the persons engaged on such projects to play with national interests. Secondly, such persons being well aware of their short comings never let the common man to know even the presence of district officers over here. If at all it is known to some one, the circle of such vested interests never let the district officers to come out from the rest house. As a result many projects like Soan Valley Project and welfare Institutions have even failed in giving the expected results and relief to the common man.

DATA PROCESSING CENTRE:

19. All what we have mentioned above, is based on practical experience, observation and direct contact with masses, which covers an area of about 50 miles radius from Talagang City. This city being a light house for the light of development provided a best place for a study through common language, common culture, common problems and common experience being near in blood as well as in distance. It is why the same place justifies itself for the solution of these problems.

GEOGRAPHICAL POSITION OF TALAGANG.

20. In the light of above study and research made at Talagang, which is the nerve point of this backward area. Justifies to be district headquarters having its boundaries from skesar and salt ranges on south and soan rivers in the north. The eastern and western sides could be the

area the same intermediatories are the backbone of political life in this area. To safeguard their own interests, they always move in the politics with the movement of administration having any interest with any political party. In 1946 they stood for Unionists and same is being followed uptill now. Had it been the only reason of British rule in this sub conditnent (other than the administrative setup). It would have definitely changed the course of political thinking after creation of Pakistan. Elections in Pakistan are proof to this effect.

ECONOMICAL DEPRESSION:

12. The social depression, which gave birth to political depression, when studies from the view point of economical conditions of a common man in this area there appeared many reasons working behind this depression. The extent of this depression can be realized from this fact that Tehsil Talagang which is spread over 0.7 million acres appox; only about 0 3 million acres land is under plough and the yield is so poor that only about .1 million rupees are received as annual rate of rent by the government i.e Re .1 /_ per 7 acre.

LOSS OF TIME AND EARNING;

13. Keeping in view of this economical deprasion when we look to the common man in relation to administration meant for his welfare. it becomes a multiplying factor for the miseries of a common man It is proved from this fact that when he visits district

headquarters to get his grievances redressed he has to bear the burden of heavy expenses of traveling from this area for about 100-150 miles. He has also to suffer for heavy expenses required for lodging & boarding for 2-3 days, which is also a loss of man hour because he is totally cut off from his home work.

BURDON OF CORRUPTION TION:

14. In addition to this physical and mental torture, the condition of a common man becomes much more miserable, when his utmost need becomes a source of corruption on the part of public servants responsible to issue copies, certificates and other documents required in connection with revenue executive or judicial problem .Apart from this burden of corruption at district head quarters .the local staff being away from district authorities having no check find it much more easy to enjoy illegal gratification in exchange of any official business.

NOURISHMENT OF LITIGATION;

15. The problem of a common man do not end at this stage rather taste of corruption has made the public servants particularly revenue staff to play with the record of rights concerning this area on immovable property which have dragged the conman man in litigation with constant increase in cases of this area . Record of civil and criminal appeals and murder cases of this area and visit of additional judges and magistrates at Talagang and

system gives power
to the district authorities so for as on immediate relief of a common man is concerned. As an individual he needs quick cheap justice and as a common man, he needs close contact with the district administration. In view of these requirements the seat of district H.Qs. plays an important role in the welfare of common man, because the welfare of the whole district revolves around this pivot, which should be connected with its boundaries through shortest possible distance.

DISTRICT ATTOK AND JHELUM

- When we apply this practical requirement of administration in this area we find it totally different so for seats of district H.Qs. are concerned. Both the Headquarters of these districts are at the extreme end of their district boundaries. As a result neither the individual gets quick and cheap justice nor the district authorities are in a close contact with a common man of this area. And the absence of this close contact has created a gap which is filled by the vested interests ,who are responsible for these miseries and massacre of human values in this area.

ROLE OF VESTED INTERESTS:

8. These vested interests in the form of feudal lords stand like a bridge between the common man and district administration for the last so many generations. Their interest never lets any vehicle pass through this bridge quite safe and sound. As a result neither the individual

gets his grievances redressed nor the administration comes to know the real problems of a common man in this area. Their information and reports are always biased with their personal grip on masses, which is the root cause of all these problems,

INFLUENCE ON ADMINISTRATION:

9. Due to direct contact with the district authories. these intermediataries immediately throw their shadow on the local administration and enjoy a great deal of influence even on the local officers of any executive branch. who also enjoy the judicial powers. This influence has such a vast circle that the common man cannot move an inch agraint the will of therse local rulers. which has finally forced the common man to live on the whims of these vested interests.

SOCIAL DEPRESSION:

- Due to years long influence on administration these feudal lords believe that the common man is their subject and it is their family right to rule on masses. They even don't tolerate to let anyone to sit on the same cot or equal to their seat. As a result they never allow anyone to think what is right or wrong. They only believe in an unconditional submission to their ulterior motives. Failing which they play havoc with the help of administration. Which is proof of social depression.

POLITICAL DEPRESSION:

11. In view of miserable life of a common man in this

Appendix-4

PROPOSAL FOR A NEW DISTRICT With H.Qs AT TALAGANG.

INTRODUCTION:

- When we go through history of Tehsil Talagang and its adjoining area. We find that the manpower of this area, who had been changing the course of history could`nt change their own home and hearth. Houses of mud surrounded with slums and decorated with long rows of cow-dungs create a question in the mind as to what is the reason this underdevelopment.

POINT OF DISCUSSION:

- This question gives birth to a proposition i.e whether this underdevelopment is due to natural handicap or something else? To answer this question. When we see the natural conditions of this area. We do not find any such reason on the part of soil or season. But when we see the common man in relation to this natural treasure. We find him highly depressed having no interest except an earnest desire to have a grave in his own Dhoke or Village.

SOURCE OF PLEADING

- Many such graves are of many unknown soldiers having many military medals on their credit. This courage and sacrifice on the part of this area which saved the whole world from miseries and massacre of human values could [illegible] save themselves from this curse. To understand this whole phenomena. We have to cross the barrier of glare and glory of these medals and have practical experience which is the source of our pleading based on following study and research.

LIFE OF A COMMON MAN.

- When we see the life of a common man in this area we find him suffering with poverty. Illiteracy. Ill health and insecurity. Which according to our analysis is due to social and economical depression. This depression being double edge sword is not only the source of miserable life but also the basic reason of underdevelopment in this area. To us it is due to administrative set-up. Which we inherited from British Government and is still followed by us in Pakistan. To understand this, let us analyze the administration both in theory as well as in practice.

ADMINISTRATION IN THEORY:

- As we all know that any administration under any legal order. Is primarily meant for the welfare of a common man called welfare of state. This welfare is of two fold nature (a) removal of all human fears by providing security to the person ,property and reputation of an individual and redress of grievances to this effect. (b) providing education, medical , communication and such other facilities to help masses i.e the common man to develop in the positive since.

ADMINISTRATION IN PRACTICE

- In view of above purpose of administrative set-up our

Appendix 3

Phone No.654

From

Khan Azmatullah Khan
Deputy Commissioner,
Campbellpur.

To,

The Commissioner,
Rawalpindi Division,
Rawalpindi.

No. 02 HC/G, dated Campbellpur the 10 January, 1976.

Subject: Opening of Agro Technical College at Talagang.

Memorandum.

During my last visit to Talagang. I discussed various local problems with the members of Bar Association Talagang. **Mr. M. Siddique Alvi,** who besides being an Electronic Engineer is also and advocate practicing at Talagang, has give me a note written by him on the subject noted above. A copy of this note is enclosed herewith for your kind information and necessary action.

- I paid a visit to the Agricultural Engineering workshop at Talagang. **Assistant Commissioner,** Talagang and **Mr. Alvi** were with me. The workshop is of a very large size and huge dimension. Very costly and valuable machines for agricultural purpose are lying there for repair. Mr. Muhammad Ashraf. Executive Engineers over all incharge of the workshop. He is being assisted in the discharge of his duties by about 50 technical and 20 non-technical hands. Previously the workshop with the

agricultural Development Corporation but now the charge has been transferred to Director Soil Conservation. Mr. Rajput.

- I have a sincere feeling that due to the absence of trained Agro-Technical personnel, millions of investment of this project has given us nothing but the waste of time and money. There is a fully equipped agricultural workshop with all Agro-Technical facilities. If immediate attention is paid to this aspect this workshop can provide and prove a best Agro-Technical College in Pakistan. In case, Government does not agree with the setting up a college at Talagang, my genuine request as a Deputy Commissioner would be to move at least for the opening of a Vocational institute prescribing a course for two ears during which period even a common man of this district and adjoining districts would get technical education which would also facilitate the proper use of foreign costly imported machines installed there with no purposeful object.
- I am conscious Government would certainly take prompt action otherwise in my opinion machinery worth millions of rupees would go to the hands of scrap dealers.

Deputy Commissioner,
Campbullpur.

No. 5/A HC/G, Dated 01-01-1976

A copy is forwarded to Mr. Muhammad Siddique Alvi, Advocate, Talagang for information with reference to his note dated 21-12-1975.

Appendix -2

M. Siddique Alvi Advocate

TALAGANG.

Date 21 December, 75

AGRO Technical College AT Talagang

Sir,

In view of purposeful education in the country, the government is taking keen interest in Agro-Technical Education. It is a matter of great concern to all of us. because the increasing population demands an ever increasing output of Agricultural produce in the country. This agricultural produce is only possible. If we switch over to mechanized agricultural system. Mechanized Agricultural System needs machines and skilled manpower. This skilled manpower is only available through Agro-Technical Education, which needs a lion share out of national budget. Other national problems and the problem of Agro-Technical education has made our national budget a sort of sandwich and under this pressure everyone is expected to help Government to solve this problem.

In view of this sense of responsibility when I looked around my living place at Talagang. I saw both Agro-Technical Project and Educational Institution running side by side but having no concern with national purpose or need of the days. Absence of this coordination is visible in the form of a bare fact when we visit Soan Vally Project and Government Degree College situated on the same place. I happened to visit this Agro-Technical Project i.e Soan Valley Project and was highly disturbed to see the foreign imported agricultural machinery

many of us have gone into business or services because the land holdings have the dwindled and one cannot really live off them, still the Malik`s and the other folks of the area pay homage which is not like the old days of my great grand father Shah Tegh Bahadur who was blessed with such a sword like tongue that what was uttered became as in the case of a poor Malik Hayat a singer who one delighted Shah Tegh and Shah Tegh said Hayatiya asked what you want and Hayat said Oh, Pir Sahib Jee I am poor remove my poverty and Shah Tegh Said Hayatiya go east where you will get what you want and Malik Hayat went to Amritsar where Raja Ranjid Singh was ruling and showed performance of his sweet voice hearing which Ranjid Singh said say what you desire as ill luck would have it Hayat Asked for the village Moorat which you know is not very fertile but he wanted Moorat and it was immediately granted such was the glory of that man, no marriage was considered blessed no funeral prayer complete year after him if one of us was not present and all disputes of minor , major were decided at the Sayyids Mosque for Courts were not resorted to this as all things must have also changed now people infest the courts which is all so much waste but things change and one must adjust as I tried at this stage to walk distances and work like any younger man. The two formulas I have been using help both are really for the winter when one can take in there heath giving worm, concoctions, take four Kernels grind them cook them to paste in milk and take them before bed every night with a spoonful of ghee in the morning do a course of almonds. Nothing monds really the old Hakeems were right about their potency so

start with almonds in the morning and increase one everyday go up to twenty and then start decreasing to one. A forty day course in winter its effect lasts all year a spoonfull of honey of course is the ideal supplement of small bees not the lal my murids keep my in supply so i really dont know what it costs all i have to do it to tell them. when one bottles finishes and I start on the reserve been going one the for decades no long before I retired and the other could energy food is ovaltine which i have been having regularly the large tin available here is a good Eight rupees more than in attock from where I get my supply and so I tribe to keep fit though I feel very cold some times but I have no regrets one can do little about it than my son a very handsome youth whom the whole town loved was killed in the oil fire some years ago I new everything would go on and only absence remained which will gradually fade and be filled for life must go on. Life, gift of Guard not to be wasted but to the best of ones ability till the last moment. So I...............

His words would slightly blur and his dissipating liquid eyes sparkle at time. he were no glasses to stress a point he patted one on the arm. He would go on helter skelter in English in Urdu both more vigorous than correct.

The Toronto South Asian Review Volume2 Number 3, winter 1984.

wells now and roa s were only old paths to be and many people have gone to foreign and even transport is picking up and people have baught suzukis which are most profitable, they go any where on their little wheels, the Japaness are quite a people. I never met them of course because I did not serve at the burma border. I served in the First World War, Great War as we called it, in the Middle East as noncommissioned officers and in the Second. I had got my commission by then. I was in the Admin Wing which was going on all over I had enrolled as a sepoy, they would not take me at first and Recuriting Officers said you are too young lad but the nest year when time came I lied as I was. tall for my age, then they objected Sayyids are not a fighting clan, we Sayyids are from Amir Kabir Sayyid Ali Wali Hamadani, May great grandfather who came from hamadan a big city of Iran as a result of his preachings and miracles Kashmir Valley People accepted Islam and he was the author of many books, one entitled Mawadat-ul-Qurba in Arabic is very famous, its urdu translation Zal-ul-Uqba. later his grand son Sayyid Ahmad Shah came to Punjab with a Chishti saint and stayed in rohtas Fort. The he went Danda where a carpanter called Bilawal served him so the village came to be called Danda Shah Bilawal and when the saint married Sultan Sher Shah Lodhi`s Daughter. She got the whole of Danda and the sorrounding area in dowry. But we got round the recruitment officers, objection through the good offices of my father who was a master at the middle which did not have much furniture in those days just a few jute mats for students and chair table and black board for the master. Talgang being little better

then a village but a convienient staff from chakwal to pindi gheb. The Tehsil HQs where the admin office was stationed, now that tehsil is not as well off. as ours because it is on one side of the man road which passes through here from Rawalpindi to Sargodha or Mianwali which has the same proliferation of Awan. As Talagang or Tila Gangn the hill of Gang, named after a tribe of the Awan`s not so numerous as they use to be though, like the other Awan`s they continued to be simple minded always accepting individual`s at their face value that is not to say an Awans or not fond of litigation and sending pseudonymous and anonyumous complaints against each other, against the Govt. officials, officers they are also great pir worshipers and are duped by them as in one famous incident of a weaver from Dhoke Dabri, Tehsil Chakwal who turned pir in 1908 or 1909 and did good business especially because of the women folk who learning their bogus pir had forbidden use of wheat would cook him almonds and pistachios in three seers of milk till it was thick and sweet so that with in days he bacme as red as an apple and wherever he went a group of women and dancing girls accompanied him and he used to sit with his face veiled in the centre with women singing and dancing around him or night till he was exposed and then he ran off taking away peoples prize dhanni bulls and milk giving bufflos but people dont learn and continue there when venreation of false and ture alike have you seen be crouds. who flock the shrines of my ancestors here Shah Tegh Bahadur and Baba Ghous Shah both came century ago and most of us. Sayyids in this area or from

year. But this is nothing. I still remember the time our first D.C Mr. Smith, he was also the District and Sessions Judge, who instituted the First Cattle Fair at Talagang in 1908 in which people from fine Districts took part including Sargodha from where Sir Umar Hayat Tiwana Came with great pump and glory riding a beautifully decorated horse with four Britishers in glittering uniforms behind him as his bodyguards and behind them were four camels with magnificent seats and hounds in silken quilts and when Sir Umar Hayat wanted to go hare hunting, the famous hawk masters and hunters such as Imam Din Machhi, Nawab Khan Zakir and Fazal Eahi Ghopa were called and after spending a lot of their energies they located a famous hare known as marna because he could not be killed ha-ha and even Sir Umar Hayat's hounds could not catch it, ha, ha-ha, but Imama Din was paid twenty rupees prize money for showing Marna, who was given ticket to freedom, and in the Cattle Fair there was tent pegging and Pir Kaudi which everybody enjoyed and Mr. Smith gave away prizes of cash and lungis, he was very fond of this town and would get up early winter morning to shoot ducks at the D.C pond reserved for Brithishers only. Behind the grave ground near the land enclosed for the stadium during my tenure as Chairman. Town Conmitte and is now. being earmarked for the Tehsil Hospital, I still remember when he would go duck shooting,. crowds gathered lined the streets, to watch him and his mem hand in hand, who would sometimes turn up to the delight of us kids and we knew Mr. Smith was a best short rather marksman because he had shot six flying ducks with one

cartridge lying on the ground and he was also a creak head who would chase firing and shooting any dog breaking or any sparrow or cock voicing at night near the Civil lodge built just before his time when the goras came on camels from chakwal and for days camped in the ground were stand the present Boys High School than called the Anglo Vernacular Middlel School which in 1911, had a very couurpt Hindu Headmaster called Ram Lall who accepted bottles of honey a dozen of eggs or seer of ghee from his pupils but he was soon transferred and the grounds were big and dusty with not as many trees as it now has and it was quite a sight with tent after tent in rows and log fires blazing cooking for all people in the retune which used to be met by the local Maliks on horses at the borders of Chakwal and Talagang which was the taken from Jhelum District to Make Cambellpur District, and Patwaried and Kanungos busy going here and there doing this and doing that all for the Goras who had come to visit, I must be about seven or eight and there was only one pukka log Amir Chan Johar`s Havelli that still stand outside the new post office and has has the old would doors it is worth visiting, you know there were some Europeans some time ago who came to photograph them and there are tiny painted flowers on bits of wood to make up patterns which cover the entire celling. The Hindu spent lot of money on their houses and marriages. Yes Sah`b they did. The Muslims were poor and money joined the army because the land is rain fed and their is little they can grow so when partition came many would say what different will it make if Gora was replaced by Kala Sahib but see how things have changed, there are tube

Appendix-1

An interview of Late Lt. Col (R) Anwar Shah which was taken by M. Athar Tahir, and it was published in the Toronto South Asian Review in 1984.

PORTRAIT OF A COLONIAL OCTOGENARIAN

People recognize his familiar amble. Bus truck, tractor, and pickup drivers. With sinking hearts, spot his traffic checks and shopkeepers identify him in crowds from long distance. Children run up to shake his withered parchment hands and pedestrians wave salams. Some town or village folk stop to touch his knees. Same chat , At Eighty three he is still going strong Lt. Col. (Retd) as he boldly scrawls on all official documents. Anwar shah, special Honorary Magistrate, Talagnag District Attock An asset to the local administration, His energy shames those many decades his juniors. Retired in 1953. He was active in town politics before his selection as Magistrate. He knows much about most. My Colonel, Gora Sahib, used to call me an encyclopedia of the Frontier Force Regiment, piffers, Anwar, he would say that, do you think about this havildar or that jamedar and I would say Sahib he was played in my hands he is, the son of so and so resident this or that village that are this tehsil, caste Awan or Syed or Jat or Rajput born when and where. when he joined the army when he was last promoted where he served for how long, and everything else he wanted to know and the Sahib would say Anwar you are great help, so some would be promoted if I recommended them and others would be passed over year after